سورۂ فاطر

﴿ایاتہا ۴۵﴾ ﴿۳۵ سورۃ فاطر مکیۃ ۴۳﴾ ﴿رکوعاتہا ۵﴾

تمام کے قول میں یہ سورت مکی ہے، اس کی پینتالیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①

سب تعریفیں اللہ کے لیے جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا جس نے بنایا ہے فرشتوں کو پیغام رساں جو پردار بازوؤں والے ہیں کسی کے دو، کسی کے تین اور کسی کے چار، وہ زیادہ کرتا ہے بناوٹ میں جو چاہتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے''۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ، فَاطِرِ میں تین وجوہ ہیں: (۱) جر یہ صفت ہونے کی بنا پر ہے (۲) رفع یہ مبتدا مضمر ہونے کی بنا پر ہے۔ (۳) نصب مدح کی بنا پر ہے۔ سیبو یہ نے یہ حکایت بیان کی ہے الحمد للہ اھل الحمد مثلہ اس طرح جاعل الملائکۃ میں تین اعراب ہو سکتے ہیں۔ فاطر سے مراد خالق ہے۔ سورۂ یوسف اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ فطر سے مراد کسی شے سے کسی چیز کو پھاڑنا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: فطرتہ فانفطر میں نے اسے پھاڑا تو وہ پھٹ گیا۔ اسی سے یہ جملہ بولا جاتا ہے: فطر ناب البعیر اونٹ کی داڑھ ظاہر ہوئی۔ بعیر فاطر جس اونٹ کی داڑھ ظاہر ہو چکی ہو۔ تفطر الشیٔ شے پھٹ گئی۔ سیف فطار ایسی تلوار جس میں دندانے پڑھ چکے ہو۔ عنترہ نے کہا:

وسیفی کالعقیقۃ فھو کِمْعِی　سلاحی لا أَفَلّ ولا فُطارا

میری تلوار شعاع کی طرح ہے وہ میرا بستہ ہے میرا اسلحہ نہ کند ہوا اور نہ ہی اس میں دندانے پڑے۔

فطر کا معنی ابتدا کرنا اور ایجاد کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں یہ نہیں جانتا تھا کہ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کا کیا معنی ہے (1) یہاں تک کہ میرے پاس دو بدو آئے جو ایک کنویں کے بارے میں جھگڑ رہے تھے ان میں سے ایک نے کہا: انا فطرتہا میں نے اسے شروع کیا تھا۔ فطر سے مراد انگشت شہادت اور انگوٹھے سے اونٹنی کو دوہنا ہے۔ آسمانوں اور زمین کے ذکر سے مراد تمام عالم ہے۔ اس استدلال کے ساتھ اس امر پر متنبہ کیا کہ جو ابتدا پر قادر ہے وہ دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 461

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ اسم فاعل میں تنوین جائز نہیں کیونکہ یہ ماضی کے معنی میں ہے۔ رُسُلًا یہ مفعول ثانی ہے۔ یہ قول بھی کیا جاتا ہے کہ فعل مضمر کی بنا پر منصوب ہے، کیونکہ اسم فاعل کا صیغہ جب ماضی کے معنی میں ہو تو وہ کسی چیز میں عمل نہیں کرتا۔ اس کے عمل کی صورت یہ ہوگی کہ یہ مستقبل کا معنی دے اور اس سے تنوین تخفیف کے طور پر حذف ہو۔ ضحاک نے اسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فعل ماضی کا صیغہ پڑھا ہے۔ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا یہاں رسل سے مراد حضرت جبریل امین، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور ملک الموت ہیں صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ حضرت حسن بصری نے: جَاعِلُ الْمَلٰٓئِكَةِ رفع کے ساتھ قراءت کی ہے۔ خلید بن نشیط نے جعل الملائکۃ قراءت کی ہے، یہ سب ظاہر ہے۔

اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ یہ صفت ہے، یعنی پروں والے۔ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ یعنی دو دو، تین تین اور چار چار۔ قتادہ نے کہا: ان میں سے بعض کے دو پر ہیں، بعض کے تین پر ہیں اور بعض کے چار پر ہیں، ان کے ساتھ وہ آسمان سے زمین کی طرف اترتے ہیں اور زمین سے آسمان کی طرف بلند ہوتے ہیں ایک وقت میں اتنی مسافت ہوتی ہے۔ یعنی انہیں قاصد بنایا۔

یحییٰ بن سلام نے کہا: انبیاء کی جانب۔ سدی نے کہا: بندوں کی جانب رحمت اور انتقام کے ساتھ۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل امین کو دیکھا جب کہ آپ کے چھ سو پر تھے (1)۔ زہری سے مروی ہے کہ حضرت جبریل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کاش آپ حضرت اسرافیل کو دیکھتے ان کے بارہ ہزار پر ہیں ان میں سے ایک پر مشرق میں اور ایک پر مغرب میں ہے۔ عرش ان کے کندھے پر ہے بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی عظمت کی وجہ سے اتنا کمزور ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ وصع کی طرح ہو جاتا ہے، وصع ایک چھوٹی چڑیا ہے یہاں تک کہ تیرے رب کے عرش کو اس کی عظمت کے سوا کوئی چیز اٹھائے ہوئے نہیں ہوتی۔ اولو، ذو کی اسم جمع ہے۔ جس طرح ھؤلاء، ذا کی اسم جمع ہے۔ اسم معرب میں ان دونوں کی مثل مخاض اور خلفہ ہے۔ مثنی، ثلاث اور رباع میں گفتگو سورۃ النساء میں گزر چکی ہے۔ یہ غیر منصرف ہیں۔

يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اکثر مفسرین کا قول ہے: ملائکہ کی تخلیق میں اضافہ فرماتا ہے؛ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد ہے فرشتوں کے پروں میں جتنا چاہتا ہے اضافہ فرماتا ہے (2)۔ زہری اور ابن جریج نے کہا: حسن صورت میں اضافہ فرماتا ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ ہیثم فارسی نے کہا: میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو ہیثم ہے جو اپنی آواز کے ساتھ قرآن کو خوبصورت انداز میں پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے''۔ قتادہ نے کہا: يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ سے مراد ہے وہ آنکھوں میں ملاحت، ناک میں حسن اور منہ میں مٹھاس کا اضافہ کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اچھا خط۔ مہاجر کلاعی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اچھا خط کلام کی وضاحت میں اضافہ کرتا ہے'' (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد خوبصورت چہرہ ہے۔ ایک قول یہ کیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، معنی قولہ تعالی ولقد راٰہ نزلۃ اخری، جلد 1، صفحہ 98

2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 331 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 462

گیا ہے: اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت ہے: ''خوبصورت چہرہ، اچھی آواز اور اچھے بال''۔ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔ نقاش نے کہا: اس سے مراد گھنگھریالے بال ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عقل اور تمیز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد علوم اور صنائع ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اللہ تعالیٰ کمی اور بیشی پر قادر ہے۔ زمخشری نے کہا: آیت مطلق ہے جو ہر زیادتی کو شامل ہے وہ قدو قامت کی طوالت، صورت میں اعتدال، اعضاء میں کمال، پکڑ میں قوت ہو، عقل میں پختگی ہو، رائے میں استحکام ہو، دل میں جرأت ہو، نفس میں سخاوت ہو، زبان میں روانی ہو، گفتگو میں مہارت ہو اور سرانجام دینے میں نرمی اور بہترین اسلوب ہو اور اس کے علاوہ صورتیں ہو سکتی ہیں وصف جن کا احاطہ نہیں کر سکتا (1)۔

مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَ مَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ②

''جو عطا فرمائے اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اپنی) رحمت سے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو روک دے تو اسے کوئی دینے والا نہیں اس کے روکنے کے بعد اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے''۔

مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا قرآن کے علاوہ نحویوں نے فَلَا مُمْسِكَ لَهَا جائز قرار دیا ہے وہ ما کے لفظ کا اعتبار کرتے ہیں اور لہا میں معنی کا اعتبار کرتے ہیں۔ انہوں نے وما یمسك فلا مرسل لہا کو بھی جائز قرار دیا ہے اور انہوں نے یہ بھی جائز قرار دیا ہے مَا یَفْتَحُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ یعنی یفتح پر رفع کو جائز قرار دیا ہے۔ ما یہ الذی کے معنی میں ہے، یعنی رسولوں کو لوگوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی بھی ان کو بھیجنے پر راضی نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ ان پر بارش یا رزق بھیجتا ہے کوئی اسے روکنے پر قادر نہیں (2)۔ اور اس میں سے جسے روکے کوئی اس کو بھیجنے پر قادر نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد دعا ہے (3)؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد توبہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد توفیق اور ہدایت ہے۔

میں کہتا ہوں: لفظ رحمت سب کو جامع ہے کیونکہ یہ اشتراک اور ابہام کا انکار کرتی ہے، یہ بدل کے طریقہ پر ہر رحمت کو شامل ہے۔ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے یہ ان سب کو عام ہے۔ موطا امام مالک میں ہے انہیں یہ خبر پہنچی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے جب وہ صبح کرتے اور لوگوں پر بارش ہوئی ہوتی: ہم پر نوء فتح سے بارش کی گئی، پھر اس آیت کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 596 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 462 3۔ ایضاً

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝

"اے لوگو! یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو اس نے تم پر فرمائی (بھلا یہ تو بتاؤ) کیا اللہ کے بغیر کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے، نہیں کوئی معبود بجز اس کے سو (اس سے) منہ پھیر کر کدھر جا رہے ہو؟"۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اس ذکر سے مراد شکر ہے هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ غیر کے لفظ میں رفع، نصب اور جر جائز ہیں۔ رفع دو وجوہ سے ہے: ایک صورت یہ ہے کہ کلام اس معنی میں ہے هل من خالق الا الله یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی خالق نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے۔ یہ خالق کی صفت ہو مگر اعراب میں خالق کے محل کا اعتبار ہے، کیونکہ معنی ہے هل خالق غیر الله، من زائدہ ہے۔ نصب استثناء کے طریقہ پر ہے۔ جر لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ہے۔ حمید طویل نے کہا: میں نے حضرت حسن بصری سے کہا: شر کو کس نے پیدا کیا؟ فرمایا: سبحان اللہ! کیا اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ بھی کوئی خالق ہے، اسی نے خیر اور شر کو پیدا کیا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے قراءت کی هل من خالق غیر الله باقی قراء نے رفع کے ساتھ قراءت کی ہے۔

یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ، السَّمَآءِ سے مراد بارش ہے۔ وَالْاَرْضِ سے مراد نباتات ہے (1)۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ یہ افك سے مشتق ہے جس میں ہمزہ مفتوح ہے، جس کا معنی پھیرنا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے، ما افلك عند كذا کس چیز نے تجھے اس سے پھیر دیا؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ افک سے مشتق ہے، جس کا معنی جھوٹ ہے۔ یہ بحث اسی طرف لوٹ جاتی ہے جو پہلے گزر چکی ہے، کیونکہ یہ ایک قول ہے جس کو صدق اور جواب سے پھیر دیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کی تکذیب تمہارے لیے کہاں واقع ہوئی؟ یہ آیت قدریہ پر حجت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے علاوہ کسی کے خالق ہونے کی نفی کی ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اوروں کو بھی خالق مانتے ہیں، جس طرح کئی مواقع پر یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

"اور اے حبیب! اگر آپ کو جھٹلا رہے ہیں (تو کوئی نئی بات نہیں) آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا اور (آخرکار) اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے جاتے ہیں"۔

وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ ضمیر مرفوع سے مراد کفار قریش ہیں۔ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تسلی دے رہا ہے اور صبر میں متقدمین کی اقتدا کا حکم دے رہا ہے۔ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔

حضرت حسن بصری، اعرج، یعقوب، ابن عامر، ابوحیوہ، ابن محیصن، حمید، اعمش، حمزہ، یحییٰ، کسائی اور خلف تاء پر فتحہ کے ساتھ قراءت کرتے ہیں کہ یہ معروف کا صیغہ ہے۔ ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ۝ (الشوریٰ) باقی فعل مجہول کی بنا پر تُرْجَعُ قراءت کرتے ہیں۔

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 256

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ٝ وَ لَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝

''اے لوگو! (یاد رکھو!) یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، پس دھوکہ میں نہ ڈال دے تمہیں یہ دنیوی زندگی اور نہ فریب میں بتلا کر دے تمہیں اللہ کے بارے میں وہ بڑا فریبی''۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ رسولوں کو جھٹلانے والوں کو وعظ کیا جا رہا ہے جب کہ پہلے قول کی صحت پر دلیل کی وضاحت کی کہ بعث، ثواب اور عقاب حق ہے۔ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا سعید بن جبیر نے کہا: دنیاوی زندگی کے غرور سے مراد ہے کہ انسان دنیا کی نعمتوں اور اس کی لذتوں میں مشغول رہے اور آخرت کے عمل سے اعراض برتے یہاں تک کہ وہ کہے: یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ۝ (الفجر) ہائے کاش! میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کوئی چیز آگے بھیجی ہوتی۔

وَ لَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ابن سکیت اور ابو حاتم نے کہا: الغرور سے مراد شیطان ہے۔ غرور یہ غر کی جمع ہے غر مصدر ہے۔ ابو اسحاق کے علاوہ کے نزدیک الغرور کا مصدر ہونا بعید ہے کیونکہ غررتہ متعدی ہے۔ متعدی مصدر فعل کے وزن پر آتا ہے۔ جس طرح ضربتہ ضربا مگر چند افعال میں ایسا آتا ہے جس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے کہا: لزمتہ لزوما، نھکہ نھوکا جہاں تک لفظ کے معنی کا تعلق ہے تو جو حضرت سعید بن جبیر نے کہا وہ سب سے اچھا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ میں بتلا ہونے کی صورت یہ ہے کہ انسان برائیوں کا عمل کرے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی آرزو کرے (1)۔ عام قراءت الغرور فتحہ کے ساتھ ہے اس سے مراد شیطان ہے۔ وہ تمہیں اپنے وساوس کے ساتھ دھوکہ میں نہ ڈال دے کہ اللہ تعالیٰ تم پر فضل کرتے ہوئے تم سے درگزر فرمائے گا۔ ابو حیوہ، ابو سمال عدوی اور محمد بن سمیقع نے الغرور قراءت کی ہے جس سے مراد باطل ہے۔ یعنی باطل تمہیں دھوکہ میں بتلا کرتا ہے۔ زجاج نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ غرور، غار کی جمع ہے، جس طرح قاعد کی جمع قعود ہے۔ نحاس نے کہا: یہ غر کی جمع ہے یا یہ ان کے قول کے مشابہ ہے: نھکہ المرض نھوکا۔ لزمہ لزوما۔ زمخشری نے کہا: یا یہ غرہ کا مصدر ہے جس طرح لزوم اور نھوک ہے (2)۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ؕ۝ اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ۬ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ۝

''یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے (اپنا) دشمن سمجھا کرو وہ فقط اس لیے (سرکشی کی) دعوت دیتا ہے اپنے گروہ کو تا کہ وہ جہنمی بن جائیں۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے، اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے''۔

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 332
2۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 599

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا پس تم بھی اس سے دشمنی کرو اور اس کی اطاعت نہ کرو اس کا تمہارے جد اعلیٰ کو جنت سے نکالنا اس کی دشمنی پر دلالت کرتا ہے اور اس کا تمہیں گمراہ کرنے کی ضمانت اٹھانا ولا ضلنهم ولا مَنِّیَنَّهُمْ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ شیطان ہمارا کھلا دشمن ہے اللہ تعالیٰ نے شیطان کا قصہ اور اس نے ہمارے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ کیا اس کو بیان کیا۔ شیطان نے ہمارے سے پہلے اور اس کے بعد کیسے ہماری عداوت اور دھوکہ دینے کا اطلاق کیا اور ہم اس کے باوجود اس سے دوستی کرتے ہیں اور ہم اس کی ان امور میں اطاعت کرتے ہیں جس میں وہ ہماری ہلاکت کا ارادہ کرتا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض کہا کرتے تھے: اے جھوٹے انسان! اور اے افتراء باندھنے والے! اعلانیہ شیطان کو گالیاں نہ دے جب کہ تو خفیہ طریقہ سے اس کا دوست ہے۔ ابن سماک نے کہا: اس آدمی پر تعجب ہے جو احسان پہچاننے کے بعد محسن کی نافرمانی کرتا ہے اور لعین کی دشمنی پہچاننے کے بعد لعین کی اطاعت کرتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ میں یہ جائز ہے کہ وہ عدو، معاد کے معنی میں ہو تو اس صورت میں اس کا تثنیہ اور جمع اور مؤنث کا صیغہ بنایا جاتا ہے۔ یہ نسبت کے معنی میں ہوتا ہے تو یہ ہر حال میں واحد ہوگا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْۤ (الشعراء: 77) مؤنث میں بھی یہ عدو ہوگا۔ نحاس نے کہا: بعض نحویوں کا قول کہ واؤ خفیفہ ہے وہ اسے ہاء کے ساتھ لاتے ہیں تو یہ غلط ہے بلکہ واؤ مضبوط حرف ہے۔

اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ، ما نے ان کو عمل سے روک دیا تو اس کے بعد فعل واقع ہوا۔ حزبہ اپنے حمایتیوں کو۔ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝ تاکہ وہ جہنمی ہو جائیں یہی اس کی علامت ہے۔

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ، اَلَّذِیْنَ یہ اصحاب سے بدل ہے تو یہ محل جر میں ہوگا یا یہ حزبہ سے بدل ہے تو یہ محل نصب میں ہوگا یا یہ واؤ سے بدل ہوگا تو یہ محل رفع میں واقع ہوگا۔ ایک چوتھا قول ہے اور وہ سب سے اچھا ہے کہ یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور اس کی خبر لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ہے گویا اللہ تعالیٰ نے اس کی موافقت اور مخالفت کی حالت کو بیان کیا کلام مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ پر مکمل ہو جائے گی، پھر نئی کلام شروع کی فرمایا: اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مبتدا ہونے کی حیثیت سے محل رفع میں ہے اس کی خبر لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ہے ان کے گناہوں کی بخشش اور جنت ہے۔

اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۖؗ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝

”پس کیا وہ شخص جس کے لیے مزین کر دیا گیا ہے اس کا برا عمل اور وہ اس کو خوبصورت نظر آتا ہے (اس کے لیے آپ آزردہ کیوں ہوں) بے شک اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے پس نہ گھلے آپ کی جان ان کے لیے فرط غم سے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو (کرتوت) وہ کیا کرتے تھے“۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ، من محل رفع میں ہے اور مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے۔ کسائی نے کہا: اس پر الله تعالیٰ کا فرمان: فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ دلالت کرتا ہے، معنی ہے جس کے لیے اس کا برا عمل مزین کیا گیا تو اس نے اسے اچھا گمان کیا اس پر حسرت کرتے ہوئے تیرا نفس نکلا جا رہا ہے؟ کہا: یہ عربی زبان کی بڑی عمدہ کلام ہے جسے چند افراد ہی جانتے ہیں، زمخشری نے اسے زجاج سے ذکر کیا ہے۔ نحاس نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ کہا گیا ہے کسائی نے سب سے اچھی بات کہی ہے جو اس نے محذوف پر دلالت کا ذکر کیا ہے، اس کا معنی ہے الله تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے بارے میں شدت غم کرنے اور ان کے بارے میں حزن کرنے سے منع کیا ہے جس طرح الله تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ (الکہف: 6) اہل تفسیر نے کہا: باخع کا معنی قاتل ہے۔ نصر بن علی نے کہا: میں نے اصمعی سے اہل یمن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بارے میں پوچھا: هم أرق قلوبا وانجع طاعة کہ انجع کا کیا معنی ہے؟ جواب دیا: وہ زیادہ مخلص ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا: علماء تفسیر جیسے مجاہد اور دوسرے علماء الله تعالیٰ کے فرمان: فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ کے بارے میں کیا کہتے ہیں: اس کا معنی ہے اپنے نفس کو قتل کرنے والے۔ فرمایا: یہ بعینہ وہ معنی ہے، گویا ان کے زیادہ مخلص ہونے کی وجہ سے اپنے نفس کو قتل کرنے والے ہیں۔ حسین بن فضل نے کہا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اس کا معنی ہے کیا وہ شخص جس کا برا عمل اس کے لیے مزین کیا گیا اس نے اسے اچھا خیال کیا پس تیرا نفس ان پر حسرت کرتے ہوئے ہلاک نہ ہو جائے، کیونکہ الله تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے اسے گمراہ کرتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب محذوف ہے، معنی ہے کیا وہ جس کا برا عمل اس کے لیے مزین کیا گیا وہ اس طرح ہو سکتا ہے جس کو ہدایت دی گئی۔ اس محذوف پر یہ الفاظ بھی دلالت کرتے ہیں فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔

یزید بن قعقاع نے پڑھا: فلا تذهب نفسك۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ میں چار قول ہیں: (۱) اس سے مراد یہودی، نصرانی اور مجوسی ہیں؛ یہ ابو قلابہ کا قول ہے۔ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ سے مراد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی ہے (۲) اس سے مراد خوارج ہیں؛ عمر بن قاسم نے اسے روایت کیا ہے سُوْٓءُ عَمَلِهٖ سے مراد تاویل میں تحریف ہے۔ (۳) اس سے مراد شیطان ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے (1)۔ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ سے مراد گمراہ کرنا ہے (۴) مراد کفار قریش ہیں؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ سے مراد شرک ہے۔ کہا: یہ آیت عاص بن وائل سہمی اور اسود بن مطلب کے بارے میں نازل ہوئی۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ آیت ابو جہل بن ہشام کے حق میں نازل ہوئی۔ فَرَاٰهُ حَسَنًا حسن سے مراد صحیح ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد خوبصورت ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول کہ اس سے مراد کفار قریش ہیں یہ تمام اقوال سے اظہر قول ہے، کیونکہ الله تعالیٰ کا فرمان ہے۔ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ (البقرہ: 272) الله تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ (آل عمران: 176) الله تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ (الکہف) الله تعالیٰ کا فرمان ہے:

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 333

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝ (الشعراء) اس آیت میں فرمان ہے: فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ یہ ظاہرو بین ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوان کے کفر پر تاسف کررہے ہیں یہ کوئی نفع نہیں دے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہ کیا ہے۔

یہ آیت قدریہ کا قول جو گزر چکا ہے اس کا رد کرتی ہے، یعنی کیا جس کا برا عمل اس کے لیے مزین کیا گیا ہے وہ اسے اچھا گمان کرتا ہے تو اسے ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے تیرے سپرد نہیں، آپ کے ذمہ تو تبلیغ ہے۔ ابو جعفر، شیبہ اور ابن محیصن نے پڑھا فلا تُذھِب یعنی تاء پر ضمہ اور ہاء پر کسرہ ہے۔ نفسك مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ دونوں معنی قریب قریب ہیں۔ حَسَرٰتٍ منصوب ہے مفعول لاجلہ ہے، یعنی حسرتوں کے لیے اپنے نفس کو نہ گھلایئے۔ عَلَیْهِمْ یہ تَذْهَبْ کا صلہ ہے، جس طرح تو کہتا ہے: ھلك علیه حبا و مات علیه حزنا وہ اس کی محبت کی وجہ سے ہلاک ہو گیا اور وہ اس پر غم کرتے ہوئے ہلاک ہو گیا۔ جس پر حسرت کی جارہی ہے یہ اس کا بیان ہے۔ یہ جائز نہیں کہ یہ حَسَرٰتٍ کے متعلق ہو، کیونکہ مصدر پر اس کا صلہ مقدم نہیں ہوتا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو گویا یہ سب حسرت کی زیادتی کی وجہ سے اس پر حسرت ہو گئے۔ جس طرح جریر نے کہا:

مَشق الھواجِرُ لحمھُنَّ مع السُّرى　　حتى ذھبن كلا كلا و صدورا(1)

شاعر ارادہ کرتا ہے کہ اونٹ لوٹے تو وہ صرف کلاکل اور سینے ہی رہ گئے تھے۔ کلاکل سے مراد اونٹ کے سینے کے نیچے جو گول سا نشان ہوتا ہے۔ اس معنی میں ایک دوسرے شاعر کا قول ہے:

فعلى إثرهم تساقط نفسی　　حسرات وذكرهم لی سقام

ان کے پیچھے حسرت کرتے ہوئے تیرا نفس گرتا ہے اور ان کا ذکر میرے لیے بیماری ہے۔

یا یہ مصدر ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

وَ اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝

”اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو وہ اٹھالاتی ہیں بادل کو مردہ شہر کی طرف پھر ہم زندہ کر دیتے ہیں اس بادل (کے مینہ) سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد یونہی انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا“۔

وَ اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّیِّتٍ، مَیِّتٍ اور میت دونوں کا معنی ایک ہے، اسی طرح میتة اور میتة ہے؛ یہ نحویوں میں سے ماہر لوگوں کا قول ہے۔ محمد بن یزید نے کہا: یہ بصریوں کا قول ہے اس نے کسی کی استثناء نہ کی؛ اس نے اس پر دلائل قطعیہ سے استدلال کیا۔ اور یہ اشعار پڑھے:

لیس من مات فاستراح بمَیْتٍ　　إنما المَیْت میت الأحیاء

إنما المَیْت یعیش كئیبا　　كاسِفا بالُه قلیل الرجاء

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 600

وہ آدمی نہیں مرا جو مرنے سے راحت پا گیا۔ مردہ تو حقیقت میں زندوں سے مرنے والا ہے۔ میت تو حقیقت میں وہ ہے جو غمگین ہو کر زندگی گزارتا ہے اس کا دل بجھا ہوا اور امید کم ہوتی ہے۔

کہا: کیا تو میت اور میت میں فرق دیکھتا ہے اور یہ شعر پڑھا:

هَيْنون لَيْنون أيسارٌ بنو يَسَرٍ سُواس مَكْرُمة أبناء أَيْسار

کہا سب نے اس پر اتفاق کیا کہ ہینون اور لینون ایک ہی چیز ہیں۔

اسی طرح میت اور میت، سید اور سید ایک ہی چیز ہیں۔ وَاللّٰهُ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ کے بعد فَسُقْنٰهُ فرمایا: التفات کے قاعدہ سے ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس کا طریقہ تو یہ تھا فتسوقہ ہوتا کیونکہ فرمایا: فَتُثِيْرُ سَحَابًا۔ زمخشری نے کہا: اگر تو پوچھے کہ فتثیر مضارع کا صیغہ کیوں آیا ہے (1)، اس سے ماقبل اور مابعد مضارع کا صیغہ نہیں؟ میں اس کا جواب دوں گا: تاکہ اس حال کی حکایت بیان کرے جس میں ہوائیں بادلوں کو اڑاتی ہیں اور اس عمدہ صورت کو حاضر کرتی ہیں جو قدرت ربانیہ پر دلالت کرتی ہیں۔ علماء ایسے فعل کے ساتھ ایسا ہی رویہ اپناتے ہیں جس میں کسی قسم کا امتیاز ہو اور ایسے حال کی خصوصیت ہو جو عجیب وغریب ہے یا مخاطب کو اہمیت دلائے یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو؛ جس طرح تابط شرا نے کہا:

بأني قد لقيت الغول تهوي بسَهْب كالصحيفة صحصحان

فأضربها بلا دَهش فخرت صريعا لليدين و للجران(2)

تابط شرا ان اشعار میں اپنی قوم کے سامنے اس حالت کی تصویر کشی کرتا ہے جس میں بہادری کا مظاہرہ کیا جاتا ہے وہ گمان کرتا ہے کہ وہ جہلاء پر وار کرتا ہے۔ گویا وہ اپنی قوم کے جہلاء دکھاتا ہے۔ مشاہدہ کے ساتھ اس کی حقیقت پر مطلع کرتا ہے تاکہ اس امر پر تعجب کا اظہار کیا جائے کہ وہ ہر ہولناک چیز پر حملہ کی جرأت رکھتا ہے اور یہ مصیبت میں ثابت قدم رہتا ہے۔ اسی طرح مردہ شہر کی طرف بادلوں کو ہانکنا ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی غالب قدرت پر دلائل میں سے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے فسقنا اور أحيينا غیبت کے لفظ سے اس کی طرف عدول کیا گیا ہے جس کا اختصاص میں زیادہ عمل دخل ہے اور اس پر زیادہ دال ہے۔ عام قراءت الریاح ہے۔ ابن محیصن، ابن کثیر، اعمش، یحییٰ، حمزہ اور کسائی نے الریح واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس آیت کی وضاحت اور اس کے بارے میں مفصل گفتگو گزر چکی ہے۔

كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ یعنی اس طرح تمہارے مرنے کے بعد تمہیں زندہ کیا جائے گا۔ یہ نشر الانسان نشورا سے ماخوذ ہے۔ کاف محل رفع میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے مثل أحياء الموت، نشر الاموات۔ ابو رزین عقیلی سے مروی ہے کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے اور اس کی مخلوق میں اس کی نشانی کیا ہے؟ فرمایا: ''کیا تو ایسی وادی میں سے نہیں گزرا جو خشک سالی کی وجہ سے ہلاک کی گئی پھر تو اس کے پاس سے گزرا تو وہ سرسبز و شاداب لہرا رہی تھی'' (3)۔ میں نے عرض کی: ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اسی طرح مردوں کو زندہ کرے گا اور یہی مخلوق میں

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 601 2۔ ایضاً 3۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 257

اس کی آیت ہے''۔ ہم نے اس کی وضاحت سورۃ الاعراف وغیرہ میں کردی ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَ مَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝

''جو عزت کا طلبگار ہو (وہ جان لے) کہ ہر قسم کی عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور نیک عمل پاکیزہ کلام کو بلند کرتا ہے، اور جو لوگ فریب کاریاں کرتے ہیں۔ رے کاموں کے لیے ان کے لیے شدید عذاب ہے اور ان کا مکر (وفریب) تباہ ہو کر رہے گا''۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا فراء کے نزدیک اس کی تقدیر کلام یہ ہے من کان یرید علم العزۃ اسی طرح دوسرے علماء نے بھی فرمایا ہے یعنی جو عزت کے علم کا ارادہ کرتا ہے جس کے ساتھ کوئی ذلت نہیں کیونکہ وہ عزت جو ذلت کی طرف لے جائے تو یہ ذلت کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا ہے۔ وہ عزت جس کے ساتھ کوئی ذلت نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ جمیعا یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ زجاج نے اس کا یہ معنی مقدر کیا ہے جو آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے عزت کا خواہش مند ہے جب کہ عزت اللہ سبحانہ کے لیے ہے بے شک اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں عزت دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ بہت اچھی تاویل ہے جس طرح روایت آئے گی اس بارے میں ایک مرفوع روایت مروی ہے۔ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ سامعین کو اس کی عزت سے مایوس کیا جائے۔ اور انہیں یہ بتانا ہے کہ جو چیز اس ذات کے لیے ثابت ہے اس میں کسی غیر کے لیے کوئی محل طمع نہیں، تو لفظ العزۃ پر جو الف لام ہے یہ عہد خارجی کے لیے ہوگا، ان لوگوں کے نزدیک جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے لیے جو ثابت ہے اسے جانتے ہیں۔ سورۂ یونس میں جو ارشاد ہے: وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ (یونس: 65) اس سے یہی سمجھا جا رہا ہے۔

یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرے کہ ہمت والوں کو آگاہ کرے کہ کہاں سے عزت بحال کی جاسکتی ہے اور کہاں سے مستحق بنا جاسکتا ہے؟ پس الف لام استغراق کے لیے ہوگا۔ اس سورت کی آیات سے یہی مفہوم ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ سے عزت چاہی اور فقر اور خضوع کے ذریعے اس کی تصدیق کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو پالے گا۔ ان شاء اللہ۔ نہ اس سے روکا جائے گا اور نہ ہی اس سے حجاب میں رکھا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے اللہ تعالیٰ کے حضور تواضع کی اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرماتا ہے'' (1) اور جس نے اسے غیر سے طلب کیا تو اللہ تعالیٰ اسے اسی کے سپرد کر دیتا ہے جس سے اس نے اسے طلب کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی جماعت کا ذکر کیا جنہوں غیر سے طلب کی فرمایا: الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ (النساء) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تجھے صراحۃً آگاہ کر دیا جس میں کوئی اشکال نہیں کہ عزت اس کے لیے ہے اس سے تجھے جتنی چاہتا ہے عزت دار بنا دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے اسے ذلیل بنا دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ

1۔ جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، ما جاء فی التواضع، جلد 2، صفحہ 24

فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: "جو آدمی دونوں جہانوں کی عزت کا طالب ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے" (1)۔ یہی زجاج کے قول کا معنی ہے۔ جس نے کہا کتنا اچھا کیا:

وإذا تذللت الرقاب تواضعا منا إليك فعزها فی ذلها

جب ہماری گردنیں تیری بارگاہ میں عاجزی سے جھکتی ہیں تو ان کی عزت ان کی عاجزی میں ہوتی ہے۔

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ اس پر کلام مکمل ہوئی، تو پھر شروع کرے گا۔ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند فرمائے گا یا اس کے صاحب کو رفعت عطا کرے گا۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ معنی ہو عمل صالح پاکیزہ کلمات کو بلند کرے گا تو کلام متصل ہوگی جس طرح اس کی وضاحت آرہی ہے۔ صعود سے مراد بلندی کی طرف حرکت ہے اس سے مراد عروج بھی ہے۔ کلام میں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ عرض ہے لیکن اس کی قبولیت کو صعود سے بیان کیا ہے کیونکہ ثواب کا محل اوپر کی جانب ہے اور عذاب کا محل نیچے کی جانب ہے۔ زجاج نے کہا: یہ جملہ کہا جاتا ہے: ارتفع الأمر إلى القاضی مراد ہے معاملہ قاضی کے علم میں آ گیا ہے۔ پس یہ علم کے معنی میں ہوگا۔ کلمہ طیب کا خصوصاً ذکر کیا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ ثواب اسی پر ہوتا ہے۔ الیہ اس سے مراد ہے الی اللہ یصعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف بلند ہوتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کے آسمان اور اس کے محل کی طرف بلند ہوتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کا حکم جاری نہیں ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کتاب جس میں بندوں کی طاعات ہوتی ہیں انہیں آسمانوں کی طرف بلند کیا جاتا ہے۔ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ سے مراد توحید ہے جو پاکیزہ عقیدہ سے صادر ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد تحمید اور تمجید ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر وغیرہ ہے انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

لا ترضَ من رجلٍ حلاوةَ قوله حتى يُزَيِّنَ ما يقول فَعالُ

فإذا وزنت فعاله بمقاله فتوازَنَا فإخاء ذاك جَمالُ

تو کسی آدمی کی میٹھی گفتگو سے راضی نہ ہو یہاں تک کہ عمل اس کے قول کو مزین نہ کرے۔ جب تو اس کے عمل کا اس کے قول کے ساتھ موازنہ کرے اور وہ متوازن ہوں تو اس کے روپ میں جمال ہے۔

ابن مقفع نے کہا: عمل کے بغیر قول ایسا ثرید ہے جس میں گوشت کی چکنائی نہ ہو اور ایسا بادل ہے جس میں بارش نہ ہو، ایسی کمان ہے جس میں تانت نہ ہو۔ اسی کے بارے میں ایک شاعر نے کہا:

لا يكون المقال إلا بفعلٍ كلُّ قولٍ بلا فعالٍ هَباءُ

إنَّ قولًا بلا فعالٍ جميلٍ ونكاحًا بلا وَلِيٍّ سواء

قول فعل کے بغیر کچھ بھی نہیں ہر قول فعل کے بغیر ہوا میں اڑنے والے ذرات کی مانند ہے، بے شک ایسا قول جو

1۔ تاریخ بغداد از خطیب، جلد 4، صفحہ 80، جلد 8، صفحہ 171

خوبصورت عمل کے بغیر ہو اور جو نکاح ولی کے بغیر ہو برابر ہیں۔

ضحاک نے یصعد یاء کے ضمہ کے ساتھ قراءت کی جمہور لوگوں نے الکلم کلمۃ کی جمع قراءت کی۔ ابو عبد الرحمن نے الکلام قراءت کی۔

میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر کلام کا لفظ کبھی کلم کے معنی میں اور کبھی اس کے برعکس پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ ابو القاسم کا قول بھی اس معنی میں لیا جاتا ہے: کلام کی تین قسمیں ہیں: پس کلام کو کلم کی جگہ رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے عمل صالح پاکیزہ کلمات کو بلندی کی طرف لے جاتا ہے(1)، حدیث طیبہ میں ہے: "اللہ تعالیٰ عمل کے ساتھ قول کو قبول کرتا ہے اور قول و عمل کو قبول نہیں کرتا مگر نیت کے ساتھ قبول کرتا ہے اور قول، عمل اور نیت کو قبول نہیں کرتا مگر سنت کو پانے کے ساتھ قبول فرماتا ہے"(2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، پاکیزہ کلمہ کہے اور فرائض ادا کرے تو اس کا قول، عمل کے ساتھ بلند ہوتا ہے۔ اور جب اس نے اچھا قول تو کیا اور اس نے فرائض ادا نہ کیے تو اس کا قول اس کے عمل کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ یہ ایسا قول ہے اہل سنت کے معتقدات جس کا رد کرتے ہیں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت نہیں۔ حق یہ ہے کہ نافرمان فرائض کو ترک کرنے والا جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور پاکیزہ کلام کرتا ہے تو اس کے حق میں یہ لکھا جاتا ہے اور اس سے قبول کیا جاتا ہے۔ اس کے حق میں نیکیاں ہوتی ہیں اور اس کے خلاف برائیاں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایسے شخص سے اچھا عمل قبول کرتا ہے جو شرک سے بچتا ہے، نیز پاکیزہ کلام بھی عمل صالح ہے۔ جو یہ کہتا ہے: عمل ہی کلام کو بلندی کی طرف لے جاتا ہے اس کا قول بھی درست ہو سکتا ہے کہ اس کی یوں تاویل کی جائے کہ یہ اسے مزید بلند کرتا ہے، اور اس کا موقع محل زیادہ حسین ہو جاتا ہے جب عمل قول کے ساتھ مل جائے، جس طرح نماز، روزہ وغیرہ اعمال کرنے والے کے لیے معاملہ ہوتا ہے۔ جب اعمال کے درمیان پاکیزہ کلمات آجائیں اور وہ انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو اعمال زیادہ شرف کا باعث ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ یہ نصیحت ہے، تذکرہ ہے اور اعمال پر برانگیختہ کرنا ہے۔ جہاں تک اقوال کا تعلق ہے وہ اپنی ذات میں اعمال ہیں، جس طرح توحید اور تسبیح یہ مقبول ہیں۔

ابن عربی نے کہا: انسان کا کلام جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی صورت میں ہو اگر اس کے ساتھ عمل صالح مقترن نہ ہو تو وہ کچھ نفع نہ دے گا، کیونکہ جس کا قول اس کے فعل کے خلاف ہو وہ اس کے لیے وبال ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ عمل جب قول کی قبولیت میں شرط نہ ہو تو اس کا پاکیزہ کلمہ بھی اس کے حق میں لکھا جائے گا اور اس کا برا عمل بھی لکھا جائے گا، دونوں میں موازنہ ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کامیابی، نفع اور نقصان کا فیصلہ فرمائے گا۔

میں کہتا ہوں: ابن عربی نے جو کچھ کہا ہے اس میں تحقیق کی گئی ہے ظاہر یہ ہے کہ عمل صالح پاکیزہ قول کے قبول کرنے میں شرط ہے۔ آثار میں یہ آیا ہے کہ بندہ جب یہ کہتا ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جب کہ اس کی نیت صادق ہوتی ہے تو فرشتے اس کے عمل کو

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 333 2۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 603

دیکھتے ہیں۔ اگر عمل اس کے قول کے موافق ہو تو دونوں بلند ہو جاتے ہیں اگر عمل مخالف ہو تو اس کا قول رک جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے عمل سے توبہ کر لے۔ اس تعبیر کی بنا پر عمل صالح پاکیزہ کلمہ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بلند کرتا ہے۔ **یَرْفَعُهٗ** میں ضمیر **الْكَلِمُ الطَّيِّبُ** کی طرف لوٹتی ہے؛ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، شہر بن حوشب، سعید بن جبیر، مجاہد، قتادہ، ابو العالیہ اور ضحاک کا ہے۔

اور **الْكَلِمُ الطَّيِّبُ** سے مراد توحید ہے (1)، یہی عمل صالح کو بلند کرتا ہے، کیونکہ عمل صالح ایمان اور توحید کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے اور عمل صالح کو پاکیزہ کلمہ بلند کرتا ہے۔ ضمیر عمل صالح کی طرف لوٹے گی؛ یہ قول شہر بن حوشب سے مروی ہے، کہا: **الْكَلِمُ الطَّيِّبُ** سے مراد قرآن ہے اور عمل صالح قرآن کو بلند کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ عمل صالح کو پاکیزہ کلمہ پر بلند کرتا ہے، کیونکہ عمل کلمہ کو ثابت کرتا ہے اور عامل، قائل سے زیادہ مشقت برداشت کرتا ہے، یہی کلام کی حقیقت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی رفعت عطا کرنے والی ہے اور پستی دینے والی ہے۔ دوسری اور پہلی تعبیر میں مجاز کا قاعدہ ہے لیکن وہ جائز ہے۔ نحاس نے کہا: پہلا قول زیادہ مناسب اور زیادہ صحیح ہے کیونکہ جس نے کہا ہے وہ بلند رتبہ والا ہے اور وہ عربی زبان میں بھی اولیٰ ہے کیونکہ قراء العمل کو رفع دیتے ہیں۔ اگر معنی ہو عمل صالح کو اللہ تعالیٰ بلندی عطا فرماتا ہے یا عمل صالح الکلم الطیب کو رفعت عطا کرتا ہے تو پسندیدہ اعراب العمل پر نصب تھی۔ ہم کسی کو نہیں جانتے کہ اس نے العمل کو نصب دی ہو مگر جو حضرت عیسیٰ بن عمر سے مروی ہے انہوں نے کہا: کچھ لوگوں نے اسے العمل الصالح یرفعہ اللہ قراءت کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عمل صالح اپنے عامل کو بلندی عطا کرتا ہے۔ وہ وہی ہے جس نے عزت کا ارادہ کیا اور اس نے جانا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ہی طلب کی جاتی ہے (2)؛ قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ذکر کیا کہ کتا نماز کو توڑ دیتا ہے اور اس آیت کی قراءت کی۔ **اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ** یہ سلف کے مذہب کے مطابق عمومی لفظ سے عموم کا استدلال ہے۔ جب کہ وہ نماز میں اس کی شرائط کے ساتھ داخل ہوا کوئی چیز اس پر نماز کو قطع نہ کرے گی مگر جو اس قطع کو ثابت کر دے جو قرآن، سنت اور اجماع سے ثابت ہو۔ جو یہ رائے رکھتا ہے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: ''نماز کو عورت، گدھا اور سیاہ کتا توڑ دیتا ہے'' (3)۔ میں نے پوچھا: سیاہ کتا کیوں، سفید کتا اور سرخ کتا کیوں نہیں؟ فرمایا: ''سیاہ کتا شیطان ہے''۔ امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے۔

ایک ایسی روایت آئی ہے جو اس کے معارض ہے، وہ وہ روایت ہے جسے امام بخاری نے ابن شہاب کے بھتیجے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے چچا سے پوچھا کہ نماز کو کون سی چیز توڑ دیتی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اسے کوئی چیز بھی نہیں توڑتی۔ عروہ بن زبیر نے مجھے خبر دی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے رات کو نماز پڑھتے جب کہ میں، آپ اور قبلہ کے درمیان آپ کے اہل کے بستر پر دائیں بائیں لیٹی ہوتی (4)۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 464
2۔ ایضاً
3۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، ما یستر المصلی، جلد 1، صفحہ 197
4۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، من قال لا یقطع الصلوٰۃ شیٔ، جلد 1، صفحہ 74

وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ طبری نے کتاب آداب النقوش میں ذکر کیا ہے یونس بن عبداللہ، سفیان سے وہ لیث بن ابی سلیم سے وہ حضرت شہر بن حوشب اشعری سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: اس سے مراد ریاکاری کرنے والے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خفیہ تدبیر کی جب وہ دار الندوہ میں جمع ہوئے۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا میں برے اعمال کرتے ہیں۔ مقاتل نے کہا: مراد شرک ہے السیئات اس کا مفعول ہوگا۔ یہ کہا جاتا ہے بَارَ يَبُوْرُ جب وہ ہلاک اور باطل ہو جائے۔ بَارَتِ السوق جب کساد بازاری ہو جائے۔ اسی سے یہ دعا ہے: نعوذ باللہ من بوار الایم میں بیوگی کی ہلاکت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا ۝ (الفرقان) تم ہلاک ہونے والی قوم ہو۔ مکر سے مراد وہ عمل ہے جو حیلہ اور دھوکہ کے طریقہ پر کیا جائے۔ سورۂ سبا میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

"اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تمہیں مٹی سے پھر پانی کی بوند سے پھر تمہیں بنا دیا جوڑے جوڑے اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی عورت اور نہ بچہ جنتی ہے مگر اس کو اس کا علم ہوتا ہے، اور نہ لمبی زندگی دی جاتی ہے کسی طویل العمر کو اور نہ کم رکھی جاتی ہے کسی کی عمر مگر (اس کی تفصیل) کتاب میں درج ہے، بے شک یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے"۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اس صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی۔ خلق أصلكم من تراب۔

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ پھر نطفہ سے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے آبا کی پشتوں سے نکالا۔ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا تم میں سے بعض کو بعض سے ملا دیا۔ مذکر مونث کا زوج (جوڑا) ہے تاکہ دنیا میں بقا مکمل ہو یہاں تک کہ اس کی مدت مکمل ہو۔ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جوڑا جوڑا بنایا پس مذکر، مونث سے شادی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ان سے نسل جاری ہوتی ہے کوئی حمل نہیں ٹھہرتا اور نہ ہی کوئی بچہ جنم لیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے تو کوئی شے اس کی تدبیر سے خارج نہیں ہوتی۔

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ اسے معمر نام دیا جس کی طرف وہ جانے والا ہے(1)۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے: کسی کو لمبی عمر نہیں دی جاتی مگر اس کی عمر لکھ لی جاتی ہے کہ وہ کتنے

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 603

سال ہے، کتنے مہینے ہے، کتنے دن اور کتنی ساعتیں ہیں، پھر ایک اور کتاب میں لکھا جاتا ہے: اس کی زندگی سے ایک دن کم ہو گیا ہے ایک مہینہ کم ہو گیا ہے، ایک سال کم ہو گیا ہے، یہاں تک کہ اس کی عمر پوری ہو جاتی ہے؛ یہ قول سعید بن جبیر کا بھی ہے۔ کہا: اس کی عمر سے جو وقت گزر جاتا ہے تو وہی نقصان ہے اور جو آئندہ ہے تو وہی اس کی عمر لمبی کی جاتی ہے۔ اس صورت میں ہاء ضمیر معمر کے لیے ہوگی۔

سعید سے یہ قول بھی مروی ہے: اس کی عمر اتنے اتنے سال لکھی جاتی ہے پھر اس کے نیچے لکھا جاتا ہے: ایک دن گزر گیا، دو دن گزر گئے، یہاں تک کہ اس کا آخری وقت آ جاتا ہے۔ قتادہ سے مروی ہے: معمر اسے کہتے ہیں جس کی عمر ساٹھ سال تک ہو۔ جس کی عمر میں کمی کی جاتی ہے وہ وہ ہے جس کو ساٹھ سال پہلے موت آ جائے۔ وَ مَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ کے معنی کے بارے میں فراء کا مذہب ہے جو اس کی عمر ہوتی ہے۔ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ سے مراد دوسرا معمر ہے یعنی دوسرے کی عمر میں کمی نہیں کی جاتی مگر کتاب میں۔ عمرہ کی ضمیر دوسرے کی طرف لوٹتی ہے پہلے کی طرف نہیں لوٹتی۔ اس کو ہاء ضمیر کے ساتھ کنایہ کے طور پر ذکر کیا گویا وہ پہلا ہی معمر ہے اس کی مثل تیرا یہ قول ہے: عندی درھم ونصفہ یعنی میرے پاس ایک درہم اور اس کے علاوہ ایک اور نصف ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے انسان کی عمر سو سال لکھی ہے اگر وہ اطاعت کرے اور نوے سال لکھی ہے اگر وہ نافرمانی کرے۔ وہ جس عمر تک بھی پہنچا تو وہ کتاب میں ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی طرح ہے: من احب ان یبسط لہ فی رزقہ وینسألہ فی اثرہ فلیصل رحمہ(1) جو آدمی یہ پسند کرے کہ اس کے رزق میں فراخی کی جائے اور اس کی عمر میں تاخیر کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے، یعنی لوح محفوظ میں لکھا جاتا ہے: فلاں کی عمر اتنے سال ہے اگر اس نے صلہ رحمی کی تو اس کی عمر میں اتنے سال اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ ایک اور جگہ من اللوح المحفوظ کی وضاحت کی وہ صلہ رحمی کرے گا۔ جو پہلے ارشاد پر مطلع ہوا دوسرے ارشاد پر مطلع نہ ہوا اس نے یہ گمان کیا کہ یہ زیادتی اور کمی ہے۔ یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت بھی گزر چکا ہے: يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ (الرعد: 39) اس صورت میں ضمیر عمر کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وَ مَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ کا معنی ہے بوڑھا ہو جانا (2)، یعنی بڑھاپے کی عمر میں کمی نہیں کی جاتی مگر کتاب میں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے فیصلہ سے ایسا ہوتا ہے؛ اس کا معنی ضحاک سے مروی ہے اور نحاس نے اسے پسند کیا ہے۔ کہا: یہ قرآن کے ظاہر کے مشابہ ہے اس کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اس تعبیر کی صورت میں ہاء کے بارے میں جائز ہے کہ یہ معمر کے لیے ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ غیر معمر کے لیے ہو۔

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ اعمال اور آجال کی کتابت اس پر متعذر نہیں عام قراءت يُنْقَصُ یاء کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ایک جماعت جس میں یعقوب بھی ہے اس نے يَنْقُصُ قراءت کی ہے۔ یاء پر فتحہ اور قاف پر ضمہ ہے یعنی اس

1۔ صحیح بخاری، کتاب الأدب، من بسط لہ فی الرزق بصلۃ الرحم، جلد 2، صفحہ 885

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 465

کی عمر میں سے کچھ کی بھی کمی نہیں کی جائے گی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: نَقَصَ الشیُ بنفسہ، نَقَصہ غیرُہٗ زَادَ بنفسہ، زادَہٗ غیرُہٗ۔ یہ افعال متعدی اور لازم دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں اعرج اور زہری نے من عمرہ کو میم کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے اسے ضمہ دیا ہے۔ یہ سُحق اور سُحُق کی مثل دونوں لغتیں ہیں۔ یسیر یعنی طویل عمر ہو یا چھوٹی عمر ہو اس کا شمار کرنا ان پر کوئی مشکل نہیں۔ اس سے فعل یسُما ہے۔ اگر تو اس کے ساتھ کسی انسان کا نام رکھے تو وہ منصرف ہوگا کیونکہ یہ فعیل کا وزن ہے۔

وَ مَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۚ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَ مِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ فِیْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

''اور یکساں نہیں ہو سکتے پانی کے دو ذخیرے یہ (ایک میٹھا) ہے بہت شیریں اس کا پینا بڑا خوشگوار ہے اور یہ (دوسرا) سخت نمکین، کھاری، تلخ اور دونوں میں سے تم کھاتے ہو تروتازہ گوشت اور نکالتے ہو زینت کا سامان جسے تم پہنتے ہو اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو پانی میں کہ اسے چیرتی شور مچاتی چلی جارہی ہیں تاکہ تم تلاش کرسکو اس کے فضل کو اور (یہ سب نوازشات اس لیے ہیں) تاکہ تم شکر ادا کرو''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرات کا معنی میٹھا ہے اور اجاج کا معنی کڑوا ہے۔ طلحہ نے قراءت کی ھٰذَا مَلِحٌ اُجَاجٌ میم پر فتحہ اور لام کے نیچے کسرہ ہے الف نہیں ہے۔ جہاں تک مالح کا تعلق ہے وہ وہ ہوتا ہے جس میں نمک ڈالا جاتا ہے۔ عیسیٰ اور ابن ابی اسحاق نے سَیِّغٌ شَرَابُہٗ قراءت کی ہے جس طرح سید اور میت ہے وَ مِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِیًّا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ: گوشت (مچھلی) ان دونوں سے حاصل ہوتا ہے۔ اس بارے میں گفتگو سورۃ النحل میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ابو اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ زیور نمکین سمندر سے نکالا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان دونوں سے نکالا جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں ملے ہوتے ہیں۔ ایک اور نے کہا: وہ سیپیاں جن میں موتی وغیرہ ہوتے ہیں وہ ایسی جگہ سے نکالے جاتے ہیں جہاں میٹھا اور کھاری پانی اکٹھا ہوتا ہے جس طرح چشمے یہ ان دونوں سے نکالا جاتا ہے، کیونکہ سمندر میں میٹھے چشمے ہوتے ہیں جب یہ ملتے ہیں تو موتی نکلتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بارش سے۔ محمد بن یزید نے چوتھا قول کیا ہے: موتی یہ صرف نمکین سمندر سے نکالے جاتے ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ ان میں سے سب سے اچھا قول ہے کیونکہ وہ دونوں سمندر ملے ہوتے ہیں، لیکن وہ جمع ہوئے پھر ان میں سے ایک کے بارے میں خبر دی، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (القصص: 73) اور جس طرح تو کہتا ہے: لو رایت الحسن والحجاج لرأیت خیرا شرا جس طرح تو کہتا ہے: لو رأیت الاصمعی و سیبویہ لملأت

یدت لغۃ ونحوا اگر تو اصمعی اور سیبویہ کو دیکھتا تو تیرا ہاتھ لغت اور نحو سے بھر جاتا۔ اس کا معنی معروف ہے۔ یہ کلام بہت ہی فصیح ہے۔ اسی طرح ہے: وَمِنۡ كُلٍّ تَاۡكُلُوۡنَ لَحۡمًا طَرِيًّا وَّتَسۡتَخۡرِجُوۡنَ حِلۡيَةً تَلۡبَسُوۡنَهَا پہلے میں دونوں اکٹھے ہیں اور دوسرے میں نمکین سمندر منفرد ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ تَلۡبَسُوۡنَهَا اس پر دلیل ہے کہ ہر شے کا لباس اس کے مناسب ہوتا ہے انگوٹھی انگلی میں ڈالی جاتی ہے، کنگن بازو میں ڈالا جاتا ہے، ہار گردن میں ڈالا جاتا ہے، پازیب پاؤں میں ڈالا جاتا ہے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں ابن سیرین سے مروی ہے کہ میں نے عبیدہ سے کہا: ریشم کا بستر بنانا اس کے پہننے کی طرح ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ صحاح میں حضرت انس بڑنیڈ سے مروی ہے: فقمت الی حصیر لنا قد اسود من طول ما لبس۔(1) محل استدلال ما لبس ہے میں اپنی ایک چٹائی پر کھڑا ہوا جو طویل وقت تک استعمال کرنے کی وجہ سے سیاہ ہو گئی تھی۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَتَرَى الۡفُلۡكَ فِيۡهِ مَوَاخِرَ نحاس نے کہا: یہاں نمکین سمندر مراد ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ارشاد ہوتا: فیھا، قد مخرت السفینۃ تمخر جب وہ پانی کو پھاڑے۔ سورۃ النحل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ مجاہد نے کہا: دور دراز ملکوں کی طرف تجارت کشتیوں کے ذریعے تھوڑی مدت میں ہوتی ہے، جس طرح سورۂ بقرہ میں بحث گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فضلہ سے مراد جو زیور نکالا جاتا ہے اور جو اس کی مچھلیاں شکار کی جاتی ہے۔ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں فضل سے نوازا اس پر تم شکر بجالاؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو اس نے تمہیں خوف سے نجات عطا فرمائی (2)۔

يُوۡلِجُ الَّيۡلَ فِى النَّهَارِ وَيُوۡلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيۡلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجۡرِىۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ لَهُ الۡمُلۡكُ ؕ وَالَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مَا يَمۡلِكُوۡنَ مِنۡ قِطۡمِيۡرٍ ؕ﴿۱۳﴾

''وہ داخل کرتا ہے (کبھی) رات (کے ایک حصہ) کو دن میں اور (کبھی) داخل کرتا ہے دن (کے ایک حصہ) کو رات میں اور اس نے پابند حکم کر دیا ہے سورج اور چاند کو، ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک، یہ ہے اللہ جو تمہارا رب ہے اسی کی ساری بادشاہی ہے، اور وہ (بت) جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا وہ تو گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں''۔

يُوۡلِجُ الَّيۡلَ فِى النَّهَارِ وَيُوۡلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيۡلِ سورۂ آل عمران اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ كُلٌّ يَّجۡرِىۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى سورہ لقمان میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ لَهُ الۡمُلۡكُ یعنی یہ کاریگری ہے وہی خالق ہے، مدبر ہے، قادر ہے اور مقتدر ہے اسی کی عبادت کی جاتی ہے۔ وَالَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ، مِنۡ دُوۡنِهٖ سے مراد بت ہیں۔ ما یملکون من قطمیر وہ اس پر اور اس کو پیدا

1۔ [illegible] صفحہ 55 | 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 467

الفقراء کو معرف باللام کیوں لایا گیا ہے؟ میں کہوں گا: اس سے اس امر کا قصد کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دکھائے کہ وہ اس کے شدید محتاج ہونے کی وجہ سے وہ فقراء کی جنس ہیں، اگرچہ تمام مخلوق انسان ہوں یا غیر سب اس کے محتاج ہیں، کیونکہ فقراء ان چیزوں میں سے ہے جو ضعف کے تابع ہوتا ہے جب بھی فقیر زیادہ کمزور ہوگا وہ زیادہ محتاج ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں انسان کے ضعف کی گواہی دی ہے: وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (النساء) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ (الروم: 54) اگر فقراء نکرہ ہوتا تو معنی ہوتا تم فقراء کا بعض ہو۔ اگر تو کہے: الفقراء، الغنی کے بالمقابل رکھا گیا ہے تو الحمید کا کیا معنی ہے؟ میں جواب دوں گا: جب اللہ تعالیٰ نے ان کی اپنی بارگاہ میں احتیاج کو ثابت کر دیا اور ان سے اپنی بے نیازی کو ثابت کر دیا جب کہ ہر غنی اپنی غنا کے ساتھ نفع پہنچانے والا نہیں ہوتا مگر جب وہ غنی سخی اور انعام کرنے والا ہو۔ جب وہ سخاوت کرے اور انعام کرے تو جس پر انعام کیا جا رہا ہوتا ہے تو ان پر اس کی حمد کرنا لازم ہو جاتا ہے، الحمید کا ذکر کیا تا کہ اس کے ساتھ اس امر پر دلالت کرے کہ وہ غنی ہے، اپنی غنا کے ساتھ اپنی مخلوق کو نفع پہنچانے والا ہے، وہ سخی ہے اور ان پر انعام فرمانے والا ہے۔ وہ ان پر انعام کرنے کی وجہ سے اس امر کا مستحق ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ خلیل کے نزدیک دوسرے ہمزہ کی تخفیف سب سے عمدہ صورت ہے، پہلے ہمزہ کی تخفیف، دونوں کی تخفیف اور دونوں کی تحقیق بھی جائز ہے۔

وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ، ھو زائد ہے۔ اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں ہوتا۔ یہ مبتدا ہو تو اس کا محل رفع ہوگا۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اس میں حذف ہے معنی ہے اگر وہ تمہیں لے جانا چاہے تو تمہیں فنا کر دے۔ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ وہ نئی مخلوق لے آئے جو تمہاری بنسبت زیادہ اطاعت گزار ہو اور تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہو۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ اللہ تعالیٰ پر مشکل نہیں۔ سورۂ ابراہیم میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ⑱

''اور بوجھ نہیں اٹھائے گا کوئی گنہگار کسی دوسرے کا بوجھ اور اگر بلائے گا پشت پر بوجھ اٹھانے والا (کسی کو) اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے تو نہ اٹھائی جاسکے گی اس کے بوجھ سے کوئی شے اگرچہ کوئی قریبی رشتہ دار ہی ہو، آپ صرف ان کو ڈرا سکتے ہیں جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز، اور جو پاکیزگی اختیار کرتا ہے سو وہ اپنی بھلائی کے لیے اختیار کرتا ہے اور (یاد رکھو آخر کار) اللہ کی طرف ہی لوٹنا ہے''۔

اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے، یہ کلام ماقبل کلام سے الگ کی گئی ہے اصل میں یہ توزر تھا، یوزر کی اتباع سے واؤ کو حذف کر دیا گیا۔ وازرۃ یہ محذوف موصوف کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہے نفس وازرۃ اسی طرح وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا ہے فراء نے کہا: نفس مثقلة أو دابة مثقلة اور کہا: یہ نفس مذکر اور مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اخفش

نے کہا: اگر تدع کا مفعول یہ انسان ہو تو مراد اس کے گناہ ہوں گے (1) اور حمل سے مراد وہ چیز ہے جو کسی کی پشت پر ہو اور حمل یہ عورت کا حمل اور کھجور کا حمل ہے۔ کسائی نے دونوں کو فتحہ کے ساتھ بیان کیا ہے کسی اور طریقہ سے بیان نہیں کیا۔ ابن سکیت نے بیان کیا کہ حمل النخلۃ کھجور کا حمل، یہ فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہے۔

لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى اخفش کے قول کے مطابق تقدیر کلام یہ ہے ولو کان الإنسان المدعو ذا قربی (2)۔ فراء نے اسے بھی جائز قرار دیا ہے **وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى** سیبویہ کے نزدیک یہ جائز ہے، اس کی مثل **وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ** (البقرہ: 280) ہے تو یہ کان، وقع کے معنی میں ہوگا یا خبر محذوف ہوگی۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وان کان فیمن تطالبون ذو عسرة سیبویہ نے حکایت بیان کی ہے الناس مجزیون بأعمالهم ان خیر فخیر لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی اگر اعمال اچھے ہوئے تو بدلہ بھی اچھا ملے گا؛ یہ تعبیر دوسرے قول کے اعتبار سے ہے اور ان خیرا فخیر یہ؛ پہلی تعبیر کی بنا پر ہے۔

عکرمہ سے مروی ہے کہ کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ یہودی اور نصرانی قیامت کے روز مسلمان کو دیکھے گا وہ مسلمان کو کہے گا: کیا میں نے تیری طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تھا؟ کیا میں نے تجھ پر احسان نہیں کیا تھا؟ مسلمان کہے گا: کیوں نہیں۔ یہودی کہے گا: مجھے کوئی نفع پہنچاؤ۔ مسلمان لگاتار اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا رہے گا یہاں تک کہ اس کے عذاب میں کمی کر دی جائے گی۔ ایک آدمی قیامت کے روز اپنے باپ کے پاس آئے گا، وہ عرض کرے گا: کیا میں تیرے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتا تھا؟ تجھ پر شفقت نہیں کرتا تھا؟ تجھ پر احسان نہیں کرتا تھا؟ جب کہ تو دیکھ رہا ہے جس مصیبت میں، میں گرفتار ہوں، اپنی نیکیوں میں سے ایک نیکی مجھے عطا کر دے، ایک خطا اپنے ذمہ لے لو۔ باپ کہے گا: تو نے مجھ سے جو سوال کیا ہے وہ معمولی چیز ہے لیکن میں بھی اسی چیز سے ڈرتا ہوں جس سے تو ڈرتا ہے۔ باپ اپنے بیٹے سے اس کی مثل کہے گا، تو بیٹا بھی اپنے باپ کو اسی طرح کا جواب دے گا۔ مرد اپنی بیوی سے کہے گا: کیا میں تیرے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتا تھا؟ مجھ سے ایک خطا اٹھا لو ممکن ہے میں نجات پا جاؤں بیوی کہے گی یہ معمولی چیز ہے لیکن میں اس چیز سے ڈرتی ہوں جس سے تو ڈرتا ہے پھر عکرمہ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ فضیل بن عیاض نے کہا: ہر عورت اپنے بچے سے ملے گی وہ کہے گی: اے بیٹے! کیا میرا پیٹ تیرے لیے حفاظت کرنے والا برتن نہیں تھا؟ کیا میرا پستان تیرے لیے مشکیزہ نہ تھا؟ کیا میری گود تیری آرام گاہ نہ تھی؟ وہ بچہ کہے گا: کیوں نہیں، اے میری ماں! وہ کہے گی: اے میرے بیٹے! میرے گناہ بوجھل ہو گئے ہیں مجھ سے میرے ایک گناہ کو اٹھا لے، بچہ کہے گا: اے ماں! مجھ سے دور ہو جا میں تیرے بجائے اپنے گناہوں میں مشغول ہوں۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہی تیرے ڈرانے کو قبول کرتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: **اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ** (یاسین: 11)

وَ مَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ جو ہدایت پاتا ہے وہ اپنے لیے ہدایت پاتا ہے۔ اس میں ایک قراءت یہ بھی ہے ومن أزكى فإنما يزكى لنفسه۔

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 261	2۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 522

وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ تمام مخلوقات نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

وَ مَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَ لَا الظُّلُمٰتُ وَ لَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَ لَا الظِّلُّ وَ لَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَ مَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾

''اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا اور نہ (یکساں ہیں) اندھیرے اور نور اور نہ (یکساں ہے) سایہ اور تیز دھوپ اور نہ ہی ایک جیسے ہیں زندے اور مردے، بے شک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہتا ہے اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں ہیں''۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ یعنی کافر اور مومن، جاہل اور عالم برابر نہیں (1)، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ (المائدہ:100)

وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ اخفش اور سعید نے کہا: لا زائدہ ہے اس کا معنی ہے ولا الظلمات والنور ولا الظل والحرور نہ تاریکیاں اور نور اور نہ سائے اور تپش۔ اخفش نے کہا: حرور (تپش) سورج کے ساتھ ہوتی ہے اور سموم رات کے ساتھ ہوتی ہے (2)۔ ایک قول اس کے برعکس کیا گیا ہے۔ مہدوی نے حکایت بیان کی ہے، فراء نے کہا: سموم دن کے وقت ہوتی ہے اور حرور دن اور رات میں ہوتی ہے (3)۔ نحاس نے کہا: یہ قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ حرور فعول کا وزن ہے یہ حر سے مشتق ہے اس میں کثرت کا معنی پایا جاتا ہے یعنی تکلیف دہ گرمی۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جہنم نے عرض کی: اے میرے رب! میرے بعض نے بعض کو کھا لیا ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں دو سانس لے لوں ایک سانس موسم سرما میں اور ایک سانس موسم گرما میں۔ تم جو سردی یا سخت ٹھنڈک پاتے ہو تو یہ جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہے اور تم جو گرمی یا شدید گرمی پاتے ہو تو یہ جہنم کی سانس کی وجہ سے ہے'' (4)۔ زہری نے سعید سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ''تم جو گرمی پاتے ہو تو یہ اس کی سموم سے ہے اور تم جو شدت کی سردی پاتے ہو تو اس کی زمہریر سے ہے'' (5)۔ یہ ان تمام اقوال کو جامع ہے۔ سموم اور حرور یہ رات اور دن کو ہوتے ہیں۔ جنت دائمی سائے والی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اُكُلُهَا دَآىِٕمٌ وَّ ظِلُّهَا (الرعد:35) جہنم گرمی والی ہے؛ یہ معنی سدی نے کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رات کا سایہ اور دن کے وقت سموم کی گرمی (6)۔ قطرب نے کہا: حرور سے مراد گرمی اور ظل سے مراد سردی ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 523　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 469　3۔ ایضاً

4۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، استحباب الابراد بالظہر، جلد 1، صفحہ 224

5۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 224　6۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 469

وَ مَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ ابن قتیبہ نے کہا: احیاء سے مراد عقلاء ہیں اور اموات سے مراد جہلاء ہیں (1)۔ قتادہ نے کہا: یہ سب امثال ہیں، یعنی جس طرح یہ اشیاء برابر نہیں ہو سکتیں اسی طرح کافر اور مومن برابر نہیں ہو سکتے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ اللہ تعالیٰ اپنے ان اولیاء کو سناتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے پیدا کیا۔ وَ مَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ یعنی وہ کفار جن کے دلوں کو کفر نے مار دیا ہے۔ یعنی جس طرح جو مر چکا ہے اسے آپ نہیں سناتے اسی طرح جس کا دل مردہ ہے اسے آپ نہیں سناتے۔ حضرت حسن بصری، عیسیٰ ثقفی اور عمرو بن میمون نے بمسمع من فی القبور تنوین کو حذف کرتے ہوئے تخفیف کے ساتھ قراءت کی ہے یعنی وہ اہل قبور کے قائم مقام ہیں کہ جسے سنتے ہیں اس سے نفع نہیں اٹھاتے اور اسے قبول نہیں کرتے۔

اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ۝

''نہیں ہیں آپ مگر بروقت ڈرانے والے''۔

یعنی آپ ڈرانے والے رسول ہیں آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے، آپ کے ذمہ ہدایت دینا نہیں، ہدایت اللہ تعالیٰ نے اپنے قبضہ قدرت میں رکھی ہوئی ہے۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ؕ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝

''ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو''۔

یعنی اہل طاعت کو جنت کی بشارت دینے والا (2) اور اہل معصیت کو جہنم سے ڈرانے والا اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ سے مراد ہے ہر امت میں نبی گزرا ہے۔ ابن جریج نے کہا: مگر عربوں میں نہیں گزرا۔

وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالزُّبُرِ وَ بِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝

''اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو (کوئی تعجب نہیں) بے شک جھٹلاتے رہے جو ان سے پہلے تھے تشریف لاتے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں، آسمانی صحیفے اور نور والی کتاب لے کر پھر (جب ان کی سرکشی کی حد ہو گئی) تو میں نے پکڑ لیا کفار کو بس (ساری دنیا جانتی ہے) میرا عذاب کیسا تھا''۔

وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ مراد قریش کے کفار ہیں یعنی اگر قریش کے کفار تمہیں جھٹلائیں۔

فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی اپنے انبیاء کو جھٹلایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تسلی دے رہا ہے۔ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ان کے پاس ان کے رسول ظاہر معجزات اور واضح شرعی احکام لائے۔ وَ

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 262
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 470

بِالزُّبُرِ سے مراد لکھی ہوئی کتب ہیں۔ وَ بِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ سے مراد واضح کتاب ہے۔ زبر اور کتاب کو مکرر ذکر کیا کیونکہ لفظ مختلف ہیں جب کہ دونوں ایک چیز ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بینات، زبر اور کتاب سب ایک معنی کی طرف راجع ہیں۔ اس سے وہ کتب مراد ہیں جو انبیاء پر نازل ہوئیں۔

ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ میری ان کو سزا کیسی تھی؟ ورش نے نافع سے جو روایت نقل کی ہے اور شیبہ نے نکیری میں یاء کو ثابت رکھا ہے جب وہ وصل میں واقع ہو وقف میں اسے ثابت نہیں رکھا، یعقوب نے دونوں حالتوں میں اسے ثابت رکھا ہے۔ باقی قراء نے دونوں حالتوں میں اسے حذف کر دیا ہے۔ یہ تمام بحث گزر چکی ہے۔ الحمدللہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

''کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اتارتا ہے آسمان سے پانی پس ہم نکالتے ہیں اس کے ذریعے طرح طرح کے پھل جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور پہاڑوں سے بھی رنگ برنگے ٹکڑے ہیں کوئی سفید، کوئی سرخ مختلف رنگوں میں (کوئی شوخ کوئی مدہم) اور بعض حصے سخت سیاہ اور انسانوں، چارپایوں اور جانوروں کے رنگ بھی اسی طرح جدا جدا ہیں اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب، بہت بخشنے والا ہے''۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً یہ رویت دل اور علم کی رؤیت ہے۔ کیا آپ کا علم انتہا کو نہیں پہنچا اور تیرے دل نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر رویۃ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ یہ التفات کے قاعدہ سے ہے۔

مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا، مختلفا کو نصب دی ہے کیونکہ یہ ثمرات کی صفت ہے۔ الوانہا یہ مختلفا کی وجہ سے منصوب ہے۔ یہ ثمرات کی صفت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے کیونکہ ذکر اسی طرف لوٹتا ہے۔ قرآن کے علاوہ میں اسے مرفوع پڑھنا جائز ہے اس کی مثل یہ جملہ ہے: رایت رجلا خارجا ابوہ۔

بہ ضمیر سے مراد پانی ہے یہ واحد ہے اور ثمرات مختلف ہیں۔ وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا (فاطر: 27) جدد یہ جُدَّۃ کی جمع ہے۔ یہ مختلف کیفیتوں کے راستے ہیں اگرچہ سب پتھر یا مٹی ہوتے ہیں۔ اخفش نے کہا: اگر یہ جدید کی جمع ہوتی تو ارشاد فرماتا: جُدُد۔ یعنی جیم اور دال پر ضمہ ہوتا جس طرح سریر اور سُرُر ہے۔

زہیر نے کہا:

كأنه أسفع الخدّين ذو جُدُدٍ طاوٍ ويرتع بعد الصيف عُريانا(1)

محل استدلال ذو جدد ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جدد کا معنی ٹکڑے ہیں یہ جددتُ الشیءَ سے ماخوذ ہے جب تو اسے کاٹے(2)؛ ابن بحر نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ جوہری نے کہا: جُدّۃ سے مراد وہ لکیر ہے جو گدھے کی پشت پر ہوتی ہے اور اس کے عمومی رنگ کے خلاف ہوتی ہے۔ جدۃ کا معنی راستہ ہے اس کی جمع جدد ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا یعنی ایسے راستے جو پہاڑ کے رنگ کے خلاف ہوتے ہیں، اسی معنی میں ان کا قول ہے: رکب فلان جدۃ من الامر یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ کوئی رائے قائم کرے۔ کساء مجدد چادر میں مختلف لکیریں ہوں۔ زمخشری نے کہا: زہری نے پڑھا جُدُد، جدائد جس طرح سفینۃ، سُفُن اور سَفَائن۔ ابوذؤیب کے قول نے اس کی تفسیر بیان کی ہے:

جَوْنُ السَّراةِ له جدائد أربعٌ

محل استدلال جدائد ہے۔

ان سے جَدَد دو فتحوں کے ساتھ مروی ہے، اس سے مراد واضح روشن راستہ ہے اسے طرائق اور واضح خطوط کی جگہ رکھا جو ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ اسے والدواب تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس تخفیف کی نظیر اس کی قراءت ہے جس نے پڑھا ولا الضالین کیونکہ ان میں سے ہر ایک اجتماع ساکنین سے بھاگا ہے۔ ولا الضالین میں اس نے پہلے ساکن یعنی الف کو حرکت دی اور والدواب میں اس نے دوسری باء کو حذف کر دیا(3)؛ یہ زمخشری کا قول ہے۔

وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ یعنی ان میں سرخ، سفید، سیاہ وغیرہ ہیں(4)۔ ان میں سے ہر ایک صانع پر دال ہے جو مختار ہے۔ فرمایا: مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ من کی رعایت کرتے ہوئے ضمیر کو مذکر ذکر کیا؛ یہ مورج کا قول ہے۔ ابوبکر بن عیاش نے کہا: ضمیر مذکر ذکر کی کیونکہ یہ ما مضمرہ کی طرف منسوب ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی ومن الناس ومن الدواب، ومن الانعام ما هو مختلف ألوانه لوگوں، چوپاؤں اور جانوروں میں سے مختلف رنگوں کے ہیں، یعنی کچھ سفید، کچھ سرخ اور کچھ سیاہ۔

وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ابوعبید نے کہا: غربیب سے مراد سخت سیاہ ہے، کلام میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے پہاڑوں میں سے سخت سیاہ ہیں۔ عرب شدید سیاہ چیز جس کا رنگ کوے کے رنگ جیسا ہو(5) اس کے بارے میں کہتے ہیں: أسود غربیب۔ جوہری نے کہا: تو کہتا ہے: هذا اسود غربیب یہ سخت سیاہ ہے، جب تو کہے: غرابیب سود تو تو سود کو غرابیب سے بدل بنائے گا، کیونکہ رنگوں کی تاکید متقدم نہیں ہوتی۔ حدیث طیبہ میں ہے: ان الله يبغض الشيخ الغربيب (6) اللہ تعالیٰ اس بوڑھے کو

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 470 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 610

4۔ ایضاً 5۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 471 6۔ ایضاً

ناپسند کرتا ہے جو سیاہ رنگ کا خضاب لگاتا ہے۔ امرء القیس نے کہا:

العین طامحة والید سابحة　　والرِّجل لافحة والوجه غرابیب(1)

نظر اٹھی ہوئی، اگلا پاؤں تیر رہا ہے اور پاؤں تیزی سے حرکت کر رہا ہے اور چہرہ سیاہ ہے۔

ایک اور شاعر کرم کی تعریف کرتا ہے:

ومن تعاجیب خلق اللہ غاطیةٌ　　یُعْصَر منها مُلاحِیٌّ و غِرابیب

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے عجوبہ روزگار وہ درخت ہے جس کی شاخیں لمبی ہیں جس سے سفید اور سیاہ رس نچوڑا جاتا ہے۔ محل استدلال غرابیب ہے۔

کَذٰلِكَ یہاں کلام مکمل ہو جاتی ہے یعنی اس طرح خشیت میں بندوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ پھر نئے سرے سے کلام کی اور فرمایا: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ یعنی وہ علماء جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ڈرتے ہیں جس آدمی کو علم ہو کہ اللہ تعالیٰ قدیر ہے تو اسے یقین ہوگا کہ وہ معصیت پر سزا دینے پر قادر ہے(2)، جس طرح علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہاں علماء سے مراد ہے جو یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ ربیع سے انس نے کہا: جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ عالم نہیں(3)۔ مجاہد نے کہا: بے شک عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ کی خشیت کے لیے علم کافی ہے اور دھوکہ کھانے کے لیے جہالت کافی ہے۔ سعد بن ابراہیم سے کہا گیا: اہل مدینہ میں سے کون سب سے زیادہ فقیہ ہے(4)؟ فرمایا: جو ان میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو۔ مجاہد سے مروی ہے: فقیہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے(5)۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حقیقی فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی رخصت نہیں دیتا، انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف نہیں کرتا اور قرآن چھوڑ کر کسی اور چیز میں رغبت نہیں کرتا۔ ایسی عبادت میں کوئی بھلائی نہیں جس میں علم نہ ہو۔ وہ علم علم نہیں جس میں فقہ نہ ہو، وہ قراءت قراءت نہیں جس میں تدبر نہ ہو(6)۔ داری ابو محمد نے مکحول سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”عالم کی عابد پر فضیلت اس طرح ہے جس طرح میری فضیلت تم میں سے ادنی آدمی پر ہے(7)، پھر اس آیت کی تلاوت کی: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ بے شک اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے، اہل آسمان، اہل زمین اور سمندر میں مچھلیاں ان لوگوں پر درود پڑھتے ہیں جو لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دیتے ہیں“۔ خبر مرسل ہے(8)۔

دارمی نے کہا: ابو نعمان، حماد بن زید سے وہ یزید بن حازم سے وہ اپنے چچا جریر بن زید سے وہ تبیع سے وہ حضرت کعب

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 471　　2۔ ایضاً　　3۔ زاد المسیر، جلد 6، صفحہ 263
4۔ سنن داری، جلد 1، صفحہ 76　　5۔ ایضاً، حدیث نمبر 302　　6۔ ایضاً، حدیث نمبر 303
7۔ ایضاً، صفحہ 75، حدیث نمبر 295　　8۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی فضل الفقه، حدیث نمبر 2609، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سے روایت نقل کرتے ہیں میں ایسی قوم کی صفت پاتا ہوں جو عمل کے بغیر علم حاصل کرتے ہیں (1)، عبادت کے بغیر تفقہ حاصل کرتے ہیں، آخرت کے عمل کے ساتھ دنیا طلب کرتے ہیں، وہ بھیڑوں کی جلدیں پہنتے ہیں جب کہ ان کے دل مصبر سے زیادہ کڑوے ہوتے ہیں وہ میری وجہ سے دھوکہ کھاتے ہیں اور میرے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں، میں نے قسم اٹھا رکھی ہے میں ان کے لیے ایسا فتنہ مقدر کروں گا جو حلیم کو ان میں حیران و پریشان چھوڑے گا۔ امام ترمذی نے اسے حضرت ابو درداء سے مرفوع روایت کیا ہے ہم نے اسے کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ زمخشری نے کہا: اگر تو کہے جو آدمی اس آیت میں لفظ الله پر رفع اور العلماء پر نصب پڑھتا ہے تو اس کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے (2)؟ وہ قراءت کرنے والے حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں، امام ابو حنیفہ سے بھی یہ قراءت بیان کی جاتی ہے۔ میں اس کا جواب دوں گا: اس قراءت میں خشیة، استعارہ ہے معنی ہے الله تعالیٰ سب لوگوں کے سامنے ان کی عزت بڑھائے گا، ان کو تعظیم عطا فرمائے گا جس طرح لوگوں میں سے اس کی عزت کی جاتی ہے جس سے ڈرا جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ یہ خشیت کے وجوب کی علت ہے، کیونکہ یہ نافرمانوں کی سزا اور ان کے قہر پر دلیل ہے۔ اور جو اہل طاعت ہیں ان کو الله تعالیٰ بدلہ عطا فرمائے گا، ان کو معاف کر دے گا جو سزا دے اور بدلہ دے اس کا حق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَ یَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾

"بے شک جو (غور و تدبر سے) تلاوت کرتے ہیں الله کی کتاب کی اور نماز قائم کرتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے راز داری سے اور اعلانیہ وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو ہرگز نقصان والی نہیں، تاکہ الله تعالیٰ انہیں پورا پورا اجر عطا فرمائے اور مزید اضافہ کرے ان کے اجر میں اپنے فضل سے، بے شک وہ بہت بخشنے والا بڑا قدردان ہے"۔

یہ ان قراء کے بارے میں آیت ہے جو عمل کرنے والے ہیں، عالم ہیں جو فرض اور نفل نماز کو قائم کرتے ہیں۔ یہی حکم انفاق کے بارے میں ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں وہ بحث گزر چکی ہے قاری کو جن چیزوں سے آراستہ ہونا چاہیے۔ احمد بن یحییٰ نے کہا: یَرْجُوْنَ اپنے متعلقات سے مل کر ان کی خبر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: زیادت سے مراد آخرت میں شفاعت ہے، یہ دوسری آیت کی طرح ہے رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ﴿ۙ۳۷﴾ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ یَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ

1۔ سنن دارمی، صفحہ 77، حدیث نمبر 305

2۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 611

(النور: 37) سورہ نساء کے آخر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ یَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ (آیت 173) وہاں ہم نے ان کی وضاحت کردی ہے۔ اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخشنے والا ہے، وہ عمل خالص میں سے قلیل کو قبول کرتا ہے اور بہت بڑا ثواب عطا فرماتا ہے۔

وَ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ۝۳۱

"اور جو کتاب بذریعہ وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے سراسر حق ہے وہ تصدیق کرتی ہے پہلی کتابوں کی، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سارے احوال سے باخبر ہے اور دیکھنے والا ہے"۔

کتاب سے مراد قرآن ہے لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ سے مراد کتب ہیں۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ۝۳۲ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ۝۳۳ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۝۳۴ الَّذِیْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ۝۳۵

"پھر ہم نے وارث بنایا اس کتاب کا ان کو جنہیں ہم نے چن لیا تھا اپنے بندوں سے، بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض میانہ رو ہیں اور بعض سبقت لے جانے والے ہیں نیکیوں میں اللہ کی توفیق سے، یہی (اللہ تعالیٰ کا) بہت بڑا فضل (وکرم) ہے۔ سدا بہار باغات، یہ ان میں داخل ہوں گے پہنائے جائیں گے انہیں وہاں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوں گی۔ (شکر نعمت کے طور پر) کہیں گے: سب ستائش اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے دور کردیا ہم سے غم (واندوہ)، یقیناً ہمارا رب بخشنے والا بڑا قدردان ہے، جس نے ہمیں بسایا ہے ابدی ٹھکانے پر اپنے فضل (واحسان) سے نہ چھوئے گی ہمیں یہاں کوئی تکلیف اور نہ چھوئے گی ہمیں یہاں کوئی تھکن"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یہ آیت مشکل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا پھر فرمایا: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ اس میں علماء جو صحابہ، تابعین اور ان کے بعد سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے گفتگو کی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ سے مراد کافر ہے؛ اسے ابن عیینہ نے عمرو بن دینار سے وہ عطا سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ

مِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ کہا: دو فرقے نجات پا گئے عربی میں تقدیر کلام یہ ہوگی فمنھم من عبادنا ظالم لنفسہ یہاں ظالم سے مراد کافر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد فاسق ہے۔

يَدۡخُلُوۡنَهَا میں جو ضمیر ہے وہ مقتصد اور سابق کی طرف لوٹے گی ظالم کی طرف نہیں لوٹے گی۔ عکرمہ، قتادہ، ضحاک اور فراء نے کہا کہ مقتصد سے مراد مومن نافرمان ہے۔ اور سابق سے مراد مطلق متقی ہے۔ علماء نے کہا: یہ آیت سورۂ واقعہ کی آیت کی مثل ہے وَّكُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَةً ۝ علماء نے کہا: یہ بعید ہے کہ ظالم کو چنا جائے؛ اسے مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ مجاہد نے کہا: فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ سے مراد اصحاب مشامہ ہیں۔

وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ سے مراد اصحاب میمنہ ہیں۔ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ تمام لوگوں سے سبقت لے جانے والے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: يَدۡخُلُوۡنَهَا میں ضمیر تین اصناف کی طرف لوٹتی ہے، اس شرط پر کہ یہاں ظالم سے مراد کافر اور فاسق نہیں۔ جن سے یہ قول مروی ہے وہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابو درداء، حضرت ابن مسعود، حضرت عقبہ بن عمرو اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ اس قول کی بنا پر تقدیر کلام یہ ہوگی کہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا وہ ہے جو چھوٹے گناہ کرتا ہے۔ مُّقۡتَصِدٌ محمد بن یزید نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جو دنیا کو اپنا حق دیتا ہے اور آخرت کو اس کا حق دیتا ہے۔ جَنّٰتُ عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا اس مضاف کی صورت میں ضمیر تمام کی طرف لوٹے گی؛ یہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

کعب الاحبار نے کہا: کعبہ کے رب کی قسم! وہ سب ہم مرتبہ ہیں اور انہوں نے اپنے اعمال کے ساتھ باہم فضیلت حاصل کی (1)۔ ابو اسحاق سبیعی نے کہا: جو میں نے ساٹھ سال سے سنا ہے یہ ہے کہ ''وہ سب نجات پانے والے ہیں'' (2)۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا پھر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم میں سے سبقت لے جانے والا سبقت لے جانے والا ہے، ہم میں سے میانہ روی اختیار کرنے والا نجات پانے والا ہے اور ہمارا ظالم بخشا ہوا ہے'' (3)۔ اس قول کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا میں اصطفینا کا مفعول مقدر ہوگا جو مضاف ہوگا اس کو اسی طرح حذف کر دیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَسۡـَٔلِ الۡقَرۡيَةَ (یوسف: 82) میں مضاف مقدر ہے یعنی اصطفینا دینھم مضاف کے حذف کے بعد اصطفیناھم باقی بچا پھر ضمیر عائد کو حذف کر دیا جو اسم موصول کی طرف لوٹ رہی تھی جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلَاۤ اَقُوۡلُ لِلَّذِيۡنَ تَزۡدَرِيۡۤ اَعۡيُنُكُمۡ (ہود: 31) میں حذف ہے یہ اصل میں تزدریھم تھا پس اصطفاء کو ان کے دین کی طرف پھیرا گیا ہے جس طرح فرمایا گیا: اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰى لَـكُمُ الدِّيۡنَ (البقرہ: 132)

نحاس نے کہا: ایک تیسرا قول بھی ہے کہ ظالم سے مراد کبیرہ گناہ کرنے والا ہو اور مقتصد وہ ہو جو برائیوں پر زیادہ نیکیوں کے ساتھ جنت کا مستحق نہ ہوا۔ اور جَنّٰتُ عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا یہ خوشخبری صرف ان لوگوں کے لیے ہو جو بھلائی میں سبقت لے گئے یہ کسی اور کے لیے نہ ہو؛ یہ قول اہل نظر کی ایک جماعت کا ہے کیونکہ نظر و فکر کے اعتبار سے ضمیر کو قریب ترین مرجع کی طرف لوٹانا زیادہ مناسب ہے۔

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 266 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 155 3۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 613

میں کہتا ہوں: درمیانہ قول زیادہ مناسب اور زیادہ صحیح ہے ان شاء اللہ، کیونکہ کافر اور منافق اللہ تعالیٰ کی تعریف کے لیے چنے ہوئے نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کے دین کو چنا؛ یہ چھ صحابہ کا قول ہے اور تیرے لیے یہی کافی ہے۔ ہم باقی ماندہ آیت میں اس کی مزید وضاحت کریں گے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ یعنی ہم نے کتاب عطا کی۔ میراث عطا ہی ہوتی ہے حقیقۃً ہو یا مجازاً ہو(1)، کیونکہ یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ چیز ایک انسان کی موت کے بعد دوسرے کے لیے ہو اور یہاں الکتاب سے مراد کتاب کے معانی، اس کا علم، اس کے احکام اور اس کے عقائد ہیں گویا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو قرآن عطا فرمایا جبکہ وہ نازل کردہ کتابوں کے معانی کو اپنے ضمن میں لیے ہوتے ہیں تو گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اسی کتاب کا وارث بنایا جو ہم سے قبل امتوں میں سے تھا(2)۔

اصْطَفَيْنَا ہم نے انہیں چن لیا۔ یہ صفوۃ سے مشتق ہے اس سے مراد ہے آلودگیوں سے پاک ہونا۔ یہ اصل میں اصتفونا تھا تا کو طاء سے اور واؤ کو یاء سے بدل دیا۔

مِنْ عِبَادِنَا ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے(3)۔ یہ لفظ ہر امت کے مومنوں کا احتمال رکھتا ہے مگر کتاب کا وارث بنانے کی وضاحت صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے ہے جب کہ پہلی امتیں وارث نہ ہوئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جن کو چنا گیا ہے وہ انبیاء ہیں(4)۔ وہ کتاب کے وارث بنے اس کا معنی ہوگا یہ امر بعض سے بعض کی طرف منتقل ہوا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (النمل: 16) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ (مریم: 6) جب یہ جائز ہے کہ نبوت موروثی ہو تو کتاب بھی اسی طرح ہوئی۔

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو گناہ صغیرہ میں واقع ہوئے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ قول کئی وجوہ سے مروی ہے۔ ضحاک نے کہا: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ یعنی ان کی ذریت میں ایسا شخص ہوگا جو اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہوگا۔ وہ مشرک ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ان کی امتوں میں سے کچھ ظالم ہوں گے، جس طرح ظالم کے بارے میں اختلاف پہلے گزر چکا ہے۔

یہ آیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بارے میں ہے۔ صاحب دل لوگوں کی عبارات، ظالم، مقتصد اور سابق کے بارے میں مختلف ہیں۔ حضرت سہیل بن عبد اللہ نے کہا: سابق سے مراد عالم ہے(5)، مقتصد سے مراد دل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ہے اور سابق سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو نہ بھولے۔ انطا کی نے کہا: ظالم جو اقوال والا ہے، مقتصد جو افعال والا ہے اور سابق جو احوال والا ہے۔ ابن عطا نے کہا: ظالم وہ ہے جو دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، مقتصد وہ ہے جو

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 264　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً
4۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 473　5۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 527

آخرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور سابق وہ ہے جو حق کی مراد کے ساتھ اپنی مراد ساقط کر دیتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم سے مراد وہ ہے جو جہنم کے ڈر سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، مقتصد وہ ہے جو جنت کی طمع میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور سابق وہ ہے جو محض اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے کسی اور سبب سے اس کی عبادت نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم وہ ہے جو دنیا میں زہد اختیار کرتا ہے کیونکہ اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اس کے حصہ کو ترک کر دیا وہ معرفت اور محبت ہے، مقتصد سے مراد عارف ہے اور سابق سے مراد محب ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم سے مراد وہ ہے جو آزمائش کے وقت جزع فزع کرتا ہے، مقتصد وہ ہے جو آزمائش پر صبر کرتا ہے اور سابق وہ ہے جو آزمائش سے لذت حاصل کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم وہ ہے جو غفلت اور عادت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، مقتصد وہ ہے جو رغبت اور خوف کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور سابق وہ ہے جو اس کی ہیبت کی بنا پر عبادت کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم وہ ہے جسے عطا کیا گیا تو اس نے مال روک لیا، مقتصد وہ ہے جس کو مال عطا کیا گیا تو اس نے خرچ کیا اور سابق وہ ہے جس سے مال روکا گیا تو اس نے شکر کیا اور دوسروں کو ترجیح دی۔

یہ روایت کی جاتی ہے کہ دو عبادت گزار آپس میں ملے ایک نے پوچھا: بصرہ میں تمہارے بھائیوں کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: اچھا حال ہے۔ اگر انہیں عطا کیا جائے تو شکر کرتے ہیں اگر انہیں کوئی چیز نہ ملے تو صبر کرتے ہیں تو پہلے نے کہا: ہمارے ہاں بلخ میں یہ کتوں کی حالت ہے۔ ہمارے دوستوں کو اگر کچھ نہ ملے تو شکر کرتے ہیں اگر انہیں کچھ عطا کیا جائے تو دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم وہ ہے جو اپنے مال کے ساتھ غنی ہو اور مقتصد وہ ہے جو اپنے دین کے ساتھ غنی ہو اور سابق وہ ہے جو اپنے رب کے ساتھ غنی ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم سے مراد وہ ہے جو قرآن کی تلاوت کرے اور اس پر عمل نہ کرے (1) اور مقتصد وہ ہے جو قرآن کی تلاوت کرے اور اس پر عمل کرے اور سابق ایسا قاری ہے جو قرآن پر عمل کرے اور اس کا علم بھی حاصل کرے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: سابق وہ ہے جو موذن کی آذان سے پہلے مسجد میں داخل ہوا اور مقتصد وہ ہے جو مسجد میں اس وقت داخل ہو جب آذان ہو چکی ہو اور ظالم وہ ہے جو مسجد میں اس وقت داخل ہو جب اقامت کہی جا چکی ہو، کیونکہ اس نے اجر میں کمی کر کے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اس نے اپنے نفس کو وہ چیز نہ دی جو غیر نے اپنے نفس کو دی تھی۔ بعض علماء نے اس بارے میں کہا: بلکہ سابق وہ ہے جو وقت اور جماعت دونوں پائے اور دونوں فضیلتیں حاصل کرے اور مقتصد وہ ہے اگر اس سے جماعت فوت ہو جائے تو وقت کو فوت نہ کرے اور ظالم وہ ہے جو نماز سے غافل ہو یہاں تک کہ وقت اور جماعت دونوں فوت ہو جائیں تو یہ ظالم کہلانے کا زیادہ مستحق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم وہ ہے جو اپنی ذات سے محبت کرتا ہو، مقتصد وہ ہے جو اپنے دین سے محبت کرتا ہو اور سابق وہ ہے جو اپنے رب سے محبت کرتا ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم وہ ہے جو انصاف چاہتا ہے اور وہ خود انصاف نہیں کرتا، مقتصد وہ ہے جو انصاف چاہتا ہے

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 527

اور انصاف کرتا ہے اور سابق وہ ہے جو انصاف کرتا ہے اور اس سے انصاف نہیں کیا جاتا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے: سابق وہ ہے جس نے ہجرت سے قبل اسلام قبول کیا، مقتصد وہ ہے جس نے ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا اور ظالم وہ ہے جس نے تلوار کی وجہ سے اسلام قبول کیا یعنی مسلمانوں کے غلبہ کی وجہ سے اسلام قبول کیا، یہ سب مغفور ہیں۔

میں کہتا ہوں: ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ان اقوال کو اور کچھ زائد اقوال کو ذکر کیا، خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ دونوں طرفیں اور واسطہ ہے مقتصد وہ ہے جو میانہ روی کو لازم پکڑتا ہے اس سے مراد کسی جانب مائل ہونے کو ترک کرنا ہے اس معنی میں جابر بن حنی تغلبی کا قول ہے:

نعاطی الملوك السّلم ما قصدوا لنا　　ولیس علینا قتلهم بمحرّم

مراد ہے جو ہمارے ساتھ میانہ روی کرے یعنی ہم پر ظلم نہ کرے تو ہم ان کے ساتھ صلح کرتے ہیں اگر وہ ظلم کریں تو ان کو قتل کرنا ہم پر حرام نہیں۔

اسی وجہ سے مقتصد دونوں منزلوں کے درمیان منزل ہے، یہ اپنی جان پر ظلم کرنے والے سے اوپر اور خیرات کی طرف سبقت لے جانے والے سے نیچے ہے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ یعنی انہیں ہماری جانب سے کتاب کا دیا جانا بڑا فضل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے عیوب جاننے کے باوجود انہیں منتخب کرنا بڑا فضل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان تینوں طبقات کے ساتھ جنت کا وعدہ کرنا بڑا فضل ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ظالم کو مقتصد اور سابق پر کیوں مقدم کیا گیا اس میں علماء نے گفتگو کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذکر میں مقدم ہونا یہ شرف کا تقاضا نہیں کرتا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ (الحشر: 20) آیت میں اصحاب النار کو مقدم کیا گیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم کو مقدم اس لیے کیا گیا کیونکہ اکثر فاسق ان میں سے ہوتے ہیں اور ان کا غلبہ ہوتا ہے اور مقتصد ان کے مقابلہ میں تھوڑے ہوتے ہیں اور سابقین تو بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں (1)؛ اسے زمخشری نے ذکر کیا ہے کیونکہ اس کے حق میں رجا مقدم ہے کیونکہ کوئی بھی ایسی چیز نہیں جس پر بھروسہ کیا جائے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت پر ہی بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ مقتصد حسن ظن پر اعتماد کرتا ہے اور سابق طاعت پر اعتماد کرتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم کو مقدم کیا گیا ہے تا کہ اس کے حق میں امید کو مؤکد کیا جائے کیونکہ اس کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں جس پر وہ اعتماد کرے صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسی چیز ہے جس پر وہ اعتماد کر سکتا ہے۔ سابق کو مؤخر کیا تا کہ وہ اپنے عمل پر عجب کا اظہار نہ کرے۔

جعفر بن محمد بن علی صادق رحمۃ اللہ علیہم نے کہا: ظالم کو متقدم کیا تا کہ اس بات کی خبر دے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کر سکتا

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 613

مگر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم سے قرب حاصل کر سکتا ہے، کیونکہ جہاں عنایت ہو وہاں ظلم انتخاب میں موثر نہیں ہو سکتا پھر دوسرے نمبر پر مقتصدین کا ذکر کیا کیونکہ وہ خوف و رجاء کے درمیان ہیں پھر سابقین پر کلام کو ختم کیا تا کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف نہ ہو۔ یہ سب کلمہ اخلاص کی حرمت کے باعث جنت میں ہیں، کلمہ اخلاص یہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

محمد بن علی ترمذی نے کہا: اصطفاء میں سب کو جمع کیا مقصود عطا سے جور کا دفع ہیں ان کو زائل کرنا ہے کیونکہ اصطفاء یہ ارث کو ثابت کرتا ہے، ارث، اصطفاء کو ثابت نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے حکمت میں کہا: نسبت کو ثابت کر پھر میراث میں دعویٰ کر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سابق کو موخر کیا تا کہ وہ جنات اور ثواب کے زیادہ قریب ہو، جس طرح صوامع اور بیع کو سورۂ حج میں مساجد پر مقدم کیا تا کہ صوامع گرانے اور برباد کیے جانے کے زیادہ قریب ہو جائیں اور مساجد اللہ کے ذکر کے زیادہ قریب ہوں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: بادشاہوں کا طریقہ یہ ہے جب وہ چند چیزوں کو اکٹھا ذکر کرنا چاہتے ہیں تو وہ ادنیٰ کو پہلے لاتے ہیں جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الانعام) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ (الشوریٰ) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَسْتَوِيْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ (الحشر: 20)

میں کہتا ہوں جس نے کہا کتنا اچھا کہا:

وغاية الجود أنت وإنما يوافى إلى الغايات فى آخر الأمر

اس سخاوت کی انتہاء تو ہے بے شک امر کے آخر میں ہی غایات تک پہنچا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا جنت میں داخل ہونے کے امر میں سب کو جمع کیا کیونکہ یہ میراث ہے نافرمان اور اطاعت گزار میراث میں برابر ہوتے ہیں جب وہ نسب کا اعتراف کریں نافرمان اور اطاعت گزار رب کا اقرار کرتے ہیں۔ اسے جنة عدن بھی پڑھا گیا ہے(1) گویا وہ ایسی جنت ہے جو سابقین کے لیے خاص ہے کیونکہ وہ تعداد میں تھوڑے ہیں، جس طرح پہلے گزرا ہے۔ اسے جنات عدن بھی پڑھا گیا ہے(2) فعل مضمر ہے جس کی تفسیر ظاہر فعل کرتا ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی یدخلون جنات عدن یدخلونہا یاء کے ضمہ اور خاء کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے، اس نے یہ قول یحلون کی وجہ سے کیا ہے سورۂ حج میں اس بارے میں کلام گزر چکی ہے۔ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ (الحج: 23)

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ابو ثابت نے کہا: ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا تو اس نے یوں دعا کی! اے اللہ! میری مسافرت پر رحم فرما، میری تنہائی میں مجھ پر مہربانی کر اور مجھے صالح ساتھی عطا فرما۔ حضرت ابو درداء نے ارشاد

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 613
2۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 614

فرمایا: اگر تو سچا ہے تو میں اس کے ساتھ تیری بنسبت زیادہ سعادت مند ہوں (1)، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ کہا: وہ سبقت لے جانے والا آئے گا وہ حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوگا۔ جہاں تک مقتصد کا تعلق ہے تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور جہاں تک اپنی جان پر ظلم کرنے والے کا تعلق ہے تو اسے اس کی جگہ محبوس رکھا جائے گا، اسے شرمندہ کیا جائے گا، اسے تنبیہ کی جائے گی پھر وہ جنت میں داخل کیا جائے گا، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ''۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ ''جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا انہیں میدان محشر میں طویل عرصہ تک محبوس رکھا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنی آغوش رحمت میں لے لے گا تو یہی وہ لوگ ہیں جو کہیں گے: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۙ الَّذِيْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہی وہ شخص ہے جس کو اسی جگہ پکڑ لیا جائے گا یہاں تک کہ جو اسے غم اور حزن پہنچے گا اس کے ساتھ اس کا کفارہ ادا ہوگا اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (النساء: 123) یعنی دنیا میں اسے بدلہ دے دیا جائے گا۔ ثعلبی نے کہا: یہ تاویل ظاہر کے زیادہ مشابہ ہے۔ کیونکہ ارشاد فرمایا: جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا اور ارشاد فرمایا الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا کافر اور منافق کو نہیں چنا گیا۔

میں کہتا ہوں: یہی صحیح ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ریحانہ کی مثل ہے جس کی خوشبو عمدہ ہے اور اس کا ذائقہ کڑوا ہے'' (2)۔ خبر دی کہ منافق اسے پڑھے گا اور حق تعالیٰ نے یہ بھی خبر دی کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوگا۔ کفار، یہودیوں اور نصاریٰ میں سے کثیر لوگ ہمارے زمانے میں اسے پڑھتے ہیں۔ امام مالک نے کہا: بعض اوقات قرآن ایسا شخص پڑھتا ہے جس میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ نصب کا معنی تھکاوٹ ہے لغوب کا معنی تھکا دینا ہے (3)۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۚ۝۳۶ وَ هُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝۳۷

''اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے دوزخ کی آگ (تیار) ہے نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر ناشکر گزار کو۔ اور وہ اس میں چیختے چلاتے ہوں گے (فریاد کریں گے) اے ہمارے رب! (ایک بار) ہمیں یہاں سے نکال ہم بڑے نیک کام کریں گے ایسے

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 526 2۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، جلد 2، صفحہ 757 3۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 267

نہیں جیسے ہم پہلے کیا کرتے تھے (جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی جس میں (بآسانی) نصیحت قبول کرسکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تشریف لے آیا تھا تمہارے پاس ڈرانے والا (تم نے اس کی بات نہ مانی)، پس اب (اپنے کیے کا) مزا چکھو ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں''۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ جب اہل جنت، ان کے احوال اور ان کے قول کا ذکر کیا تو اہل نار، ان کے احوال اور ان کے قول کا ذکر کیا۔ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا یہ اسی طرح ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے: لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۞ (طٰہٰ) وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا یہ اسی کی مثل ہے جس طرح فرمایا: كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ (النساء: 56) كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ یعنی الله اور اس کے رسول کا انکار کرنے والا۔ حضرت حسن بصری نے فیموتون نون کے ساتھ قراءت کی ہے اس وقت یہ نفی کا جواب نہیں ہوگا اور فیموتون، یقضی پر معطوف ہوگا اس کی تقدیر یہ ہوگی لا یقضی علیهم ولا یموتون(1) جس طرح الله تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۞ (المرسلات) کسائی نے کہا: ولا یوذن لهم فیعتذرون مصحف میں نون کے ساتھ ہے کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے۔ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا یہ آیت کا سرا نہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک میں وہ صورت جائز ہے جو دوسری میں جائز ہے۔ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا وہ جہنم میں بلند آواز سے چیخیں گے۔ صراح سے مراد بلند آواز ہے صارخ سے مراد مدد طلب کرنے والا اور مصرخ سے مراد مدد کرنے والا ہے۔ شاعر نے کہا:

كنا إذا ما أتانا صارخ فزِعٌ كان الصراخُ له قرع الظَّنابيب

جب کوئی خوفزدہ مدد کا طالب ہمارے پاس آتا ہے تو اس کی چیخ کیل کا ٹھوکنا ہوتی ہے۔

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں جہنم سے نکال دو اور ہمیں دنیا کی طرف لوٹا دو۔ نَعْمَلْ صَالِحًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ نقل کیا گیا ہے عمل صالح سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ جو ہم شرک کرتے تھے اس کے برعکس ہے، یہی ان کے قول کا معنی ہے، یعنی ہم کفر کی بجائے ایمان لاتے ہیں، معصیت کی بجائے اطاعت کرتے ہیں اور رسولوں کی اطاعت کرتے ہیں۔

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ یہ ان کی دعا کا جواب ہے، یعنی انہیں کہا جائے گا پس قول مضمر ہے۔ امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: باب من بلغ ستین سنة فقد اعذر الله الیه فی العمر لقوله عزوجل۔ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ، یہاں نذیر سے مراد بڑھاپا ہے۔ عبدالسلام، عمر بن علی سے وہ معن بن محمد غفاری سے وہ سعید بن ابی سعید سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ''الله تعالیٰ نے اس آدمی کے لیے کوئی عذر نہیں چھوڑا جس کی عمر کو لمبا کیا یہاں تک کہ اسے ساٹھ سال کر دیا(2)۔ خطابی نے کہا: اعذر الیه اسے آخری عذر تک پہنچا دیا۔ اسی معنی میں ان کا قول ہے: قد اعذر من انذر جس کو خبردار کیا جائے اس

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 615
2۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، من بلغ ستین سنة فقد أعذر الله، جلد 2، صفحہ 950

کے لیے کوئی عذر نہ چھوڑا۔

اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ساٹھ سال کی عمر عطا کی اس کے لیے کوئی عذر نہیں چھوڑا، کیونکہ ساٹھ سال کی عمر موتوں کا معرکہ ہے، یہ لوٹنے، عاجزی کا اظہار کرنے، موت کی تاڑ میں رہنے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی عمر ہے اس میں ایک عذر کے اختتام کے بعد دوسرے عذر کا اختتام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''موت چالیس اور ساٹھ سال کی عمر کے درمیان ہے''۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ کی تاویل میں کہا: اس سے مراد ساٹھ سال ہیں (1)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نصیحت میں ارشاد فرمایا: ''جس ذات نے خبردار کیا اس نے کوئی عذر نہیں چھوڑا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک منادی کرنے والا ساٹھ سال کی عمر کے لوگوں کو ندا کرتا ہے: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ'' حکیم ترمذی، عطا بن ابی رباح کی حدیث سے نقل کرتے ہیں اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب قیامت کا روز ہوگا تو ساٹھ سال کے عمر کے لوگوں کو ندا کی جائے گی یہی وہ عمر ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ'' (2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس سے مراد چالیس سال ہیں۔

حضرت حسن بصری اور مسروق سے اسی کی مثل مروی ہے۔ اسی قول کی وجہ سے بھی وہ صحیح ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً (الاحقاف:15) چالیس سال کی عمر میں عقل مکمل ہو جاتی ہے اس سے قبل اور اس کے بعد اس میں کمی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ امام مالک نے کہا: میں نے اپنے شہر کے علماء کو پایا کہ وہ دنیا اور علم کے طالب ہوتے اور لوگوں سے میل جول رکھتے یہاں تک کہ ان میں سے کسی کی عمر چالیس سال ہو جاتی۔ جب اس کی عمر چالیس سال کی ہو جاتی تو وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو جاتا اور قیامت کی تیاری میں مشغول ہو جاتا یہاں تک کہ اسے موت آ جاتی۔ سورۂ اعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری امت کی عمر ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہوگی جو لوگ اس عمر سے تجاوز کریں گے وہ بہت تھوڑے ہوں گے'' (3)۔

وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ اسے جاء تکم النذر بھی پڑھا گیا ہے اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: النذیر سے مراد قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول ہے: یہ زید بن علی اور ابن زید نے کہا (4)۔ حضرت ابن عباس، عکرمہ، سفیان، وکیع، حسین بن فضل، فراء اور طبری نے کہا: اس سے مراد بڑھاپا ہے (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نذیر سے مراد بخار ہے (6)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اہل اور قریبی رشتہ داروں کی موت (7)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کمال عقل۔ اور نذیر انذار کے معنی میں ہے (8)۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 476 2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 339

3۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 529۔ سنن ابن ماجہ، باب الامل والاجل، حدیث نمبر 4225، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 476 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً 7۔ ایضاً 8۔ ایضاً

میں کہتا ہوں: بڑھاپا، بخار اور اہل کی موت سب موت سے خبردار کرنے والے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بخار موت کی تلاش کرنے والا ہے" (1)۔ ازہری نے کہا: اس کا معنی ہے بخار موت کا پیغام لانے والا ہے، گویا یہ بخار موت کے آنے کا شعور دلانے والا اور اس کے آنے سے خبردار کرنے والا ہے۔ بڑھاپا (بالوں کا سفید ہونا) بھی نذیر ہے یہ پختگی کی عمر میں آتا ہے یہ بچپنے کی عمر کی جدا ہونے کی علامت ہے جو عمر لہو لعب کی عمر تھی۔ شاعر نے کہا:

رأیت الشیب من نُذُرِ المنایا لصاحبه و حَسْبُكَ من نذیر

میں نے بالوں کی سفیدی کو سفید بالوں والے کے لیے موتوں سے خبردار کرنے والا خیال کیا تیرے لیے خبردار کرنے والا کافی ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

فقلت لها المشیبُ نذیرُ عمری ولست مسودا وجه النذیر

میں نے اسے کہا: بالوں کی سفیدی خبردار کرنے والی ہے، میں خبردار کرنے والے کا چہرہ سیاہ کرنے والا نہیں۔

جہاں تک اہل، قریبی رشتہ داروں، اصحاب اور بھائیوں کی موت کا تعلق ہے تو یہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں کوچ کے بارے میں خبردار کرنے والا امر ہے۔

شاعر نے کہا:

وأراك تحملهم ولستَ تردهم فكأنني بك قد حُمِلت فلم تُرَدَّ

میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تو انہیں اٹھاتا ہے اور تو انہیں واپس نہیں لاتا گویا مجھے تیرے ہاتھوں اٹھایا گیا تجھے واپس نہیں کیا گیا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

الموت فی کل حین ینشر الکفنا ونحن فی غفلة عما یُرادُ بنا

موت ہر لحہ کفن کو کھولتی ہے اور ہمارے بارے میں جو ارادہ کیا جاتا ہے ہم اس سے غفلت میں ہیں۔

جہاں تک کمال عقل کا تعلق ہے تو اس کے ساتھ ہی امور کے حقائق کو پہچانا جاتا ہے اور نیکیوں اور برائیوں میں فرق کیا جاتا ہے عاقل آخرت کے لیے عمل کرتا ہے اور اس کے رب کے ہاں جو کچھ ہوتا ہے اس میں رغبت رکھتا ہے تو پس عقل خبردار کرنے والا ہے۔ جہاں تک حضرت محمد مصطفی علیہ التحیۃ والثناء کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بندوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے مقصود ان کی حجتوں کو ختم کرنا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء: 165) اور فرمایا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ (الاسراء)

فَذُوْقُوْا مراد جہنم کا عذاب ہے کیونکہ تم نے نہ عبرت حاصل کی اور نہ ہی تم نے نصیحت حاصل کی۔ **فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ** ظالموں کے لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 477

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

''بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین میں ہر چھپی ہوئی چیز کو، یقیناً وہ جانتا ہے دلوں کے رازوں کو''۔

اس کی وضاحت کئی مواقع پر گزر چکی ہے معنی ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اگر وہ تمہیں دنیا کی طرف لوٹائے تو تم اچھے اعمال نہیں کرو گے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام:28) عالم، اسم فاعل کا صیغہ جب تنوین کے ساتھ نہ ہو تو یہ زمانہ ماضی اور زمانہ مستقبل کا معنی دیتا ہے اور جب تنوین کے ساتھ ہو تو صرف زمانہ ماضی کے لیے ہوگا۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَ لَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَ لَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝39

''وہی ہے جس نے تمہیں (گزشتہ قوموں کا) جانشین بنایا زمین میں، پس جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال بھی اسی پر ہوگا، اور نہیں اضافہ کرے گا کفار کے لیے ان کا کفر اللہ کی جناب میں بجز ناراضگی کے اور نہ اضافہ کرے گا کفار کے لیے ان کا کفر بجز گھاٹے (اور خسران) کے''۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ قتادہ نے کہا: نائب کے بعد نائب، قوم کے بعد قوم۔ خلف سے مراد متقدم کے بعد آنے والا ہوتا ہے، اسی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: اے اللہ کے خلیفہ! فرمایا: میں تو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ نہیں بلکہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں اور میں اس پر راضی ہوں (1)۔

فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ یعنی اس پر کفر کی جزا ہے اس سے مراد عقاب اور عذاب ہے۔ وَ لَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا، مقت سے مراد بغض اور غضب ہے۔ وَ لَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا، خسارا سے مراد ہلاکت اور گمراہی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝

''آپ فرمائیے: کیا تم نے دیکھے ہیں اپنے شریک جنہیں تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا، مجھے بھی تو دکھاؤ زمین کا وہ گوشہ جو انہوں نے بنایا ہے یا ان کی کوئی شراکت ہو آسمانوں (کی تخلیق) میں یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہو اور وہ اس کے روشن دلائل پر عمل پیرا ہوں (کچھ بھی نہیں) بلکہ یہ ظالم محض ایک دوسرے کے ساتھ جھوٹے (دلفریب) وعدے کرتے رہتے ہیں''۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 477

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ، شرکاء کم فعل رویۃ کی وجہ سے منصوب ہے اس پر رفع دینا جائز نہیں۔ سیبویہ کے نزدیک رفع دینا جائز ہے ان کا قول ہے: قد علمت زیدا ابومن ھو؟ زید مستفھم عنه کے معنی میں ہے اگر تو کہے: أریت زیدا أبومن ھو؟ اس صورت میں زید پر رفع دینا جائز نہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے اس کا معنی ہے مجھے اس کے بارے میں بتایئے اسی طرح اس آیت کا معنی ہے: مجھے اپنے شریکوں کے بارے میں بتاؤ جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو کیا تم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہو کیونکہ ان کا آسمانوں کی تخلیق میں کوئی حصہ ہے یا انہوں نے زمین کی کسی چیز کو پیدا کیا ہے؟

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا یا ان کے پاس کوئی کتاب ہے جسے ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے جس میں شرکت کا ذکر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی کی عبادت کرتا ہے اس کا اس میں رد ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے کسی کتاب کو نہیں پاتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہو کہ غیر اللہ کی عبادت کی جائے۔

فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ابن کثیر، ابوعمرو، حمزہ اور حفص نے عاصم سے علی بینۃ واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ دونوں معانی قریب قریب ہیں مگر جمع کی قراءت زیادہ بہتر ہے، کیونکہ جس نے بینۃ قراءت کی وہ اس امر سے خالی نہیں کہ اس نے سواد اعظم کی مخالفت کی یا وہ اس آدمی کی لغت میں اسے لایا جو یہ کہتا ہے: جاءنی طلحت اور تاء پر وقف کرتا ہے، یہ لغت شاذ اور قلیل ہے؛ یہ نحاس کا قول ہے۔ ابوحاتم اور ابوعبید نے کہا: جمع کا صیغہ ذکر کرنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ خط کے موافق ہے کیونکہ مصحف عثمانی میں یہ بینات الف تاء کے ساتھ ہے۔

بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا یعنی ایسی باطل چیزوں کا وعدہ کرتے جو سراسر دھوکہ دینے والی تھیں۔ یہ سرداروں کا نچلے درجے کے لوگوں کے لیے قول تھا کہ یہ معبود تمہیں نفع پہنچائیں گے اور تمہیں قرب عطا کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شیطان مشرکوں سے یہ وعدہ کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان سے وعدہ کیا کہ ان کی مدد کی جائے گی (1)۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾

"بے شک اللہ تعالیٰ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو تاکہ وہ اپنی جگہ سے سرک نہ جائیں اور اگر وہ سرکنے لگیں تو کوئی نہیں روک سکتا انہیں اللہ تعالیٰ کے بعد، بے شک وہ بڑا حلیم (اور) بخشنے والا ہے"۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا جب اس امر کو واضح کیا کہ ان کے معبود آسمانوں اور زمین کی کسی چیز کو پیدا کرنے پر قادر نہیں تو اس امر کو بیان کیا کہ ان کا خالق اور ان کو ان کی جگہ روکنے والا اللہ تعالیٰ ہے کوئی حادث چیز پیدا نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ ہی اسے پیدا فرماتا ہے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی مگر اس کی بقا کے ساتھ باقی رہتی ہے۔ ان محل نصب میں ہے اور اس معنی میں ہے کراھۃ أن تزولا یا لئلا تزولا یا اس معنی پر محمول ہوگا کیونکہ معنی ہے اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو سرکنے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 478

سے روکتا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اضمار کی کوئی ضرورت نہیں؛ یہ زجاج کا قول ہے۔
وَ لَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ فراء نے کہا: یعنی اگر دونوں اپنی جگہ سے زائل ہو جائیں تو کوئی انہیں روکنے والا نہیں (1)۔ ان، ما کے معنی میں ہے۔ فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مثل ہے: وَ لَئِنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ یَكْفُرُوْنَ (الروم) ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد قیامت کے روز دونوں کا اپنی جگہ سے زائل ہو جانا ہے۔ ابراہیم سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک شاگرد کعب الاحبار کے پاس گیا تاکہ اس سے علم سیکھے جب وہ واپس آیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: تو نے کعب الاحبار سے کیا سیکھا؟ اس نے عرض کی: میں نے کعب کو کہتے ہوئے سنا: آسمان قطب پر گھوم رہا ہے جس طرح چکی کا قطب ہوتا ہے جو اس ستون میں ہے جو ایک فرشتے کے کندھے پر ہے (2)۔ حضرت عبداللہ نے اسے فرمایا: میں پسند کرتا ہوں کہ تو اپنی سواری اور اس کے کجاوے کو لٹا دے کعب نے جھوٹ بولا اس نے اپنی یہودیت کو ترک نہیں کیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا آسمان نہیں گھومتے اگر گھومتے ہوتے تو اپنی جگہ سے زائل ہو جاتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اس کی مثل مروی ہے آپ نے شام سے آنے والے ایک آدمی سے فرمایا: تو وہاں کس سے ملا؟ اس نے عرض کی: کعب سے۔ پوچھا: تو نے اسے کیا کہتے ہوئے سنا؟ اس نے عرض کی: میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا: آسمان فرشتے کے کندھے پر ہیں۔ فرمایا: کعب نے جھوٹ بولا ہے۔ کیا اس نے ابھی تک یہودیت کو ترک نہیں کیا؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا آسمان سات ہیں اور زمینیں سات ہیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ ان دونوں کا ذکر فرماتا ہے تو ان کو دو چیزوں کی حیثیت سے ذکر فرماتا ہے تو پس ضمیر ان دونوں کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (الانبیاء: 30) پھر آیت کو اس ارشاد پر ختم کیا: اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا کیونکہ وہ معنی جسے بعض اہل تاویل نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے اللہ تعالیٰ زمین اور آسمان کو اس سے روکتا ہے کہ وہ کافروں کے کفر اور ان کے قول کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے کی وجہ سے زائل ہی نہ ہو جائیں۔ کلبی نے کہا: جب یہودیوں نے کہا: حضرت عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ نصاریٰ نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں تو قریب تھا کہ آسمان اور زمین اپنی جگہ سے ہل جائیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں روک لیا (3)، اور اس بارے میں اس آیت کو نازل فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ (مریم)

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ لَّیَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِی الْاَرْضِ وَ مَكْرَ السَّیِّئِ ؕ وَ لَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ ۚ

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 269 2۔ تفسیر طبری، جز 22، صفحہ 170 3۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 269

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾

''اور (کفار مکہ) اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ زیادہ ہدایت قبول کریں گے پہلی امتوں سے پس جب آ گیا ان کے پاس ڈرانے والا تو ان کی (حق سے) نفرت اور بڑھ گئی وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے زمین میں اور گھناؤنی سازشیں کرنے لگے، اور نہیں گھیرتی گھناؤنی سازش بجز سازشیوں کے، پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو پہلے (نافرمانوں) کے ساتھ کیا گیا تھا (اگر یہ بات ہے) تو آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی اور آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تغیر''۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ قسم اٹھانے والوں سے مراد قریش ہیں (1) اس سے قبل کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمائے قریش نے یہ قسم اٹھائی تھی جب انہیں یہ خبر پہنچی کہ اہل کتاب نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا قریش نے ان لوگوں پر لعنت کی جنہوں نے اپنے نبی کو جھٹلایا تھا اور اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھائی تھی کہ اگر ان کے پاس نبی آیا۔

لَيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ یعنی اہل کتاب میں سے جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ وہ ان سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔ عرب یہ آرزو کرتے تھے کہ کاش ان میں سے بھی کوئی رسول ہوتا جس طرح بنی اسرائیل میں سے رسول تھے۔ جب انہیں میں سے نذیر آ گیا جس کی انہوں نے تمنا کی تھی تو انہوں نے اس سے نفرت کی اور اس پر ایمان نہ لائے۔ استکبارا یعنی ایمان سے سرکشی کرتے ہوئے ایمان نہ لاتے۔

وَ مَكْرَ السَّيِّئِ برے عمل کا مکر۔ اس سے مراد کفر اور کمزور لوگوں کو دھوکہ دینا ہے اور ان کا ایمان سے لوگوں کو روکنا ہے تاکہ ان کے پیروکار زیادہ ہوں۔ أمة کے مونث ہونے کی وجہ سے من إحدى الأمم کو مونث ذکر کیا؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ حمزہ اور اخفش نے ومكر السيئ ولا يحيق المكر السيئ پڑھا یعنی پہلے مکر سے اعراب کو حذف کیا اور دوسرے میں اسے ثابت رکھا۔ زجاج نے کہا: یہ لحن ہے، یہ لحن اس لیے ہوا کیونکہ اس سے اعراب کو حذف کیا گیا ہے۔ مبرد نے گمان کیا ہے: یہ انداز کلام اور شعر میں جائز نہیں کیونکہ اعراب کی حرکات کو حذف کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ حرکات معانی میں فرق کرنے کے لیے داخل ہوئیں۔ بعض نحویوں نے اس امر کو بڑا عظیم جانا کہ اعمش اپنی حالت اور قیام و مرتبہ کے باوجود یہ اس طرح قرءت کرتا ہے کہا: اعمش اس پر وقف کرتا، جس نے اس کی طرف سے یہ تعبیر کی ہے اس نے غلطی کی۔ کہا: اس پر دلیل یہ ہے کہ اس پر کلام مکمل ہوتی ہے اور دوسرے پر کلام مکمل نہیں ہوتی تو بالاتفاق اس پر اعراب دیا جائے گا۔ دوسرے میں السيئ میں حرکت پہلے السيئ کی بنسبت زیادہ ثقیل ہے، کیونکہ یہ دو کسروں کے درمیان ضمہ ہے۔ بعض نحویوں نے اس بارے میں سیبویہ کے قول سے استدلال کیا ہے۔ اس نے اور دوسروں نے یہ مصرعہ پڑھا:

إذا اعوججن قلتُ صاحبْ قوّمِ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 476

جب ان میں کجی واقع ہوگئی تو میں نے کہا: اے ساتھی! انہیں سیدھا کر۔ محل استدلال صاحب ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

فالیوم أشْرَبْ غیرَ مُسْتَحْقِبٍ إثْمًا من الله ولا واغِل(1)

آج میں پیوں گا میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوں گا اور نہ ہی دعوت کے بغیر داخل ہونے والا ہوں گا۔ محل استدلال اشرب ہے۔

اس میں کوئی حجت نہیں، کیونکہ سیبویہ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا۔ اس نے اسے بعض نحویوں سے حکایت کیا ہے۔ جب کوئی بات ایسی ہو جس میں علماء کا اعتراض ہو تو وہ حجت نہیں ہوتی تو یہ کیسے حجت ہو سکتی ہے جب وہ شاذ کے طور پر اور ضرورت شعری کے طور پر واقع ہو؟ زجاج نے یہ گمان کیا ہے کہ ابو العباس نے یوں پڑھا۔ إذا أعوجَجْنَ قُلْتُ صاحِ قَوِّم۔

اور اس نے پڑھا: فالیومَ فاشرَبْ غیرَ مُستحقِبٍ

نحاس نے ان سب چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ زمخشری نے کہا: حمزہ نے ومکر السیئ ہمزہ کے سکون کے ساتھ قراءت کی ہے(2)۔ اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ اس پر حرکات ثقیل ہوتی ہیں۔ ممکن ہے اس نے اختلاس کا قاعدہ جاری کیا ہو تو اسے سکون گمان کیا گیا یا خفیف سا وقف کیا پھر ابتدا کی ولا یحیق۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ومکرا سیئا قراءت کی۔ مہدوی نے کہا: جس نے ومکر السیئ میں ہمزہ کو سکون دیا تو وہ وقف کے طریقہ پر ہے پھر وقف کے طریق پر وصل کو جاری کیا یا ہمزہ کو ساکن کیا کیونکہ کسرے پے در پے اور یاء پے در پے ہیں۔ جس طرح کہا:

فالیوم اشرب غیر مستحقب

قشیری نے کہا: حمزہ نے ومکر السیئ ہمزہ کے سکون کے ساتھ قراءت کی۔ لوگوں نے اس کی اس قراءت کو غلط قرار دیا ہے ایک قوم نے کہا: ممکن ہے اس نے اس پر وقف کیا ہو کیونکہ کلام اس پر مکمل ہوتی ہے۔ تو راوی نے غلطی کی۔ یہ امر ان سے ادراج میں روایت کیا گیا۔ اس کی مثل میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

ہم نے کہا: جو امر خبر مستفیض اور خبر متواتر سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پڑھا تو یہ جائز ہے۔ یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ لحن ہے۔ جس نے اس قراءت کو خطا پر محمول کیا ہے شاید اس کی مراد یہ ہو کہ دوسری قراءت افصح ہے اگرچہ یہ بھی فصیح ہے۔ وَ لَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ یعنی جس نے شرک کیا اس پر شرک کا عقاب نازل ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد غزوۂ بدر میں ان کا قتل ہے۔ شاعر نے کہا:

وقد دفعوا المنیةَ فاستقلتْ ذراعاً بعد ما کانت تحیق(3)

اس شعر میں تحیق، تنزل کے معنی میں ہے؛ یہ قطرب کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: یحیق، یحیط کے معنی میں ہے(4)۔ حوق کا معنی احاطہ کرنا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: حاق به کذا یعنی اس کا احاطہ کر لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 443 2۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 619 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 479 4۔ ایضاً

کعب الاحبار نے حضرت ابن عباس سے کہا: میں تورات میں پاتا ہوں جس نے اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودا وہ خود اس میں گر گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں یہ چیز قرآن میں تجھے دکھا سکتا ہوں۔ کعب الاحبار نے پوچھا: وہ کہاں ہے؟ فرمایا: پڑھو وَ لَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ امثال عرب میں ہے: مَنْ حفر لاخیه جُبا وقع فیه منکبا(1) جو آدمی اپنے بھائی کے لیے کنواں کھودتا ہے تو اس میں منہ کے بل گرتا ہے۔ زہری نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نہ مکر کرو اور نہ ہی مکر کرنے والے کی مدد کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ نہ خود بغاوت کرو نہ ہی باغی کی مدد کر، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ (الفتح: 10)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ (یونس: 23) ایک حکیم نے کہا:

یأیها الظالم فی فعله والظلم مردود علی من ظلم
إلی متی أنت وحتی متی تُحصی المصائب وتَنسی النِّعم

اے اپنے افعال میں ظلم برتنے والے جب کہ ظلم ظالم کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے: تو کب تک مصائب کا شمار کرتا رہے گا اور کب تک نعمتوں کو بھلائے رکھے گا۔

حدیث میں ہے: المکر والخدیعة فی النار مکر اور دھوکہ آگ میں ہیں۔ فی النار سے مراد ہے یعنی آخرت میں مکر اور دھوکہ کرنے والے جہنم میں ہوں گے، کیونکہ یہ کفار کے اخلاق میں سے ہے نیک مومنوں کے اخلاق میں سے نہیں اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے سیاق میں فرمایا: ولیس من اخلاق المومن المکر والخدیعة والخیانة مکر، دھوکہ اور خیانت مومن کے اخلاق میں سے نہیں۔ اس حدیث میں ایسے مذموم اخلاق کو اپنانے اور ایمان کے کریمانہ اخلاق کو چھوڑنے پر بلیغ ترین تحذیر ہے۔

فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ وہ اس عذاب کا انتظار کر رہے ہیں جو پہلے کفار پر نازل ہوا۔ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا اللہ تعالیٰ نے کفار پر عذاب کو جاری فرمایا اور کفار کے بارے میں اسی کو سنت بنائے گا جو اس عذاب کا مستحق بنے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کی مثل عذاب دے گا۔ سنة کا معنی طریقہ ہے اس کی جمع سنن ہے۔ آل عمران میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے۔ ایک اور موقع پر فرمایا: سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا (الاسراء: 77) قوم کی طرف مضاف کیا کیونکہ ایسا امر ہے جو جانبین سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ اجل کی طرح ہے کبھی اسے اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کیا جاتا ہے اور کبھی قوم کی طرف اسے مضاف کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ (العنکبوت: 5) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ (الاعراف: 34)

اَوَ لَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ ؕ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 443

اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝

''کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ دیکھ لیتے کہ کتنا (دردناک) انجام ہوا ان (سرکشوں) کا جو ان سے پہلے گزر چکے حالانکہ وہ قوت (و طاقت) میں ان سے (کئی گنا) زیادہ تھے، اور سنو اللہ تعالیٰ ایسا (کمزور) نہیں ہے کہ اسے آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز نیچا دکھا سکے وہ ہر بات جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے''۔

جس صفت کا ذکر کیا تھا اس کو بیان کیا کیا انہوں نے نہیں دیکھا جو ہم نے قوم عاد، قوم ثمود، مدین اور ان جیسی قوموں پر اسے نازل کیا؟ جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اگر انہوں نے دیکھا ہے تو وہ ان کے مسکنوں اور گھروں کو دیکھ کر تدبر کرتے اور ان پر جو عذاب نازل ہوا اس کو تواتر سے سن کر غور و فکر کرتے کیا اس میں ان کے لیے عبرت اور ان کے لیے بیان نہیں یہ لوگ ان سے بہتر اور قوی نہیں بلکہ وہ زیادہ قوی تھے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر عذاب کا ارادہ کر لیتا ہے تو اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا وہ علم اور قدرت رکھنے والا ہے۔

وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۝

''اور اگر اللہ تعالیٰ (فوراً) پکڑ لیا کرتا لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث تو نہ (زندہ) چھوڑتا زمین کی پشت پر کسی جاندار کو لیکن (اس کی سنت یہ ہے) وہ ڈھیل دیتا رہتا ہے انہیں ایک مقررہ میعاد تک پس جب ان کی میعاد آ جائے گی تو بے شک اللہ کے سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں''۔

وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا، ما کسبوا سے مراد گناہ ہیں (1)۔ مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: مراد تمام حیوانات ہیں جو رینگ کر چلتے تھے یا کسی اور صورت میں چلتے تھے (2)۔ قتادہ نے کہا: یہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا۔ کلبی نے کہا: دابہ سے مراد جن اور انسان ہیں ان کے علاوہ کوئی نہیں، کیونکہ دونوں عقل ہونے کی وجہ سے مکلف ہیں (3)۔ ابن جریر، اخفش اور حسین بن فضل نے کہا: یہاں دابہ سے مراد صرف لوگ ہیں کوئی اور نہیں۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ وہ ایک جلیل القدر صحابی سے مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: قریب ہے کہ سیاہ بھنورے کو اس کی بل میں انسان کے گناہ کی وجہ سے عذاب دیا جائے (4)۔ یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا: ایک آدمی نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا۔ ایک آدمی نے اسے کہا: اپنا خیال کرو، کیونکہ ظالم اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو نے جھوٹ بولا؟ واللہ الذی لا الہ الا ھو پھر کہا والذی نفسی بیدہ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بے شک سرخاب ظالم کے ظلم کی وجہ سے اپنے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 479 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 444 3۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 619 4۔ ایضاً

گھونسلہ میں کمزوری کی وجہ سے مرجاتا ہے ☆۔ ثمالی اور یحییٰ بن سلام نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ بارش روک لیتا ہے اور ہر چیز ہلاک ہو جاتی ہے۔ سورۂ بقرہ میں آیت وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿ کی تفسیر میں عکرمہ اور مجاہد سے اس کی مثل روایت گزر چکی ہے کہ وہ حشرات اور چوپائے ہیں جنہیں ان علماء سو کے گناہوں کی وجہ سے خشک سالی آلیتی ہے جو حق کو چھپاتے ہیں تو یہ چیزیں ان پر لعنت کرتی ہیں۔ ہم نے وہاں حضرت براء بن عازب سے دوسری روایت نقل کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿ کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''مراد زمین کے جانور ہیں'' (1)۔

وَلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى مقاتل نے کہا: اجل مسمی سے مراد وہ اجل ہے (2) لوح محفوظ میں جس کا وعدہ کیا گیا۔ یحییٰ نے کہا: اس سے مراد یوم قیامت ہے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا یعنی بندوں میں سے جو عذاب کے مستحق ہوتے ہیں ان کو دیکھنے والا ہے۔ اذا میں لفظ بصیر کو عامل بنانا جائز نہیں جس طرح اس مثال میں خارجو کو الیوم میں عام بنانا جائز نہیں الیوم ان زید اخارج لیکن اس میں عامل جاء ہے کیونکہ اذا ایسے حروف مجازات اور اسماء مجازات کے مشابہ ہے جن کا مابعد ان میں عمل کرتا ہے۔ سیبویہ اذا کے ساتھ مجازات کو درست نہیں سمجھتے تھے مگر شعر میں مجازات جائز سمجھتے تھے، جس طرح کہا:

إذا قَصُرت أسيافنا كان وصلها　　خُطانا إلى أعدائنا فنضاربِ

محل استدلال فنضارب ہے جو اذا کی جزا ہے۔

الحمد للہ اولا و آخرا

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے حبیب کریم علیہ الف الف صلاۃ وتسلیم کے طفیل تفسیر قرطبی کے ترجمہ کو مکمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائی۔ ناچیز کے حصہ میں آخری چار جلدیں آئیں ان چار جلدوں میں سے آخری جلد کا ترجمہ پہلے ہوا اور ساتویں جلد کا ترجمہ آخر میں ہوا۔ آج مورخہ 19 ستمبر 2008 بروز جمعۃ المبارک بمطابق 18 رمضان شریف طلوع فجر کے بعد اختتامی الفاظ لکھنے نصیب ہوئے۔

میں احکم الحاکمین جو ہم سب کا خالق و مالک ہے اور اس کی بارگاہ میں سب نے حاضر ہونا ہے، کی بارگاہ عالی میں عرض گزار ہوں کہ میری اس کاوش کو میرے لیے توشہ آخرت بنائے۔ حضور ضیاء الامت کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے اور میرے والدین، میرے اساتذہ اور دوستوں اور تمام مومنین کی مغفرت فرمائے اس ترجمہ کو لوگوں کے لیے نفع مند بنائے۔ اسی کے فضل و کرم کا سہارا ہے اور بس۔

محمد بوستان
مدرس دار العلوم محمدیہ غوثیہ
بھیرہ شریف ضلع سرگودھا

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب العقوبات، صفحہ 300
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 480
☆ تفسیر قرطبی نے اس کی مثل روایت نقل کی ہے۔